أحسن الحديث

الحدیث

حضرو

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

3

- جنت کا راستہ
- نزولِ مسیح علیہ السلام حق ہے
- تابعینِ عظام رحمہم اللہ سے محبت

اگست 2004ء جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ

مکتبة الحدیث

حضرو، اٹک: پاکستان

ضیاءالحق عاصم

احسن الحدیث

راہِ ہدایت

الٓمّٓ o ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ o

الم، یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے، یہ متقین (پرہیزگاروں) کے لئے ہدایت ہے (البقرہ:۱،۲)

فقه القرآن :

- سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ البقرہ پڑھی جاتی ہے۔(مسلم:۷۸۰)

نیز فرمایا: یہ اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرے گی، سورۃ البقرہ پڑھو کیونکہ اس کا پڑھنا باعث برکت اور اس کا چھوڑنا باعث حسرت ہے اور جادوگر اس کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے۔(مسلم:۸۰۴)

- الم حروف مقطعات میں سے ہیں، ان پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کا معنی ومفہوم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے

امام ثعلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فنحن نؤمن بتنزيلها ونكل الى الله تأ ويلها ''

ہم ان کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے معنی کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ (تفسیر ثعلبی:۱/۱۳۶)

- ذلک اسم اشارہ بعید ہے، جو مشارالیہ کی علومنزلت اور ارتفاع شان پر دلالت کناں ہے، جیسا کہ اہلِ علم کے ہاں معروف ہے۔

- قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے جس کی سنہری وابدی تعلیمات تمام انسانیت کے لے مینارہ نور اور باعث رشد وہدایت ہیں، لیکن اس کی تعلیمات سے کماحقہ فائدہ حاصل کرنے والے صرف پرہیزگار (متقی) ہی ہیں۔

- سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: متقین سے مراد مؤمنین ہیں۔(تفسیر ابن جریر:۱/۷۷ وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا، لوگوں میں افضل کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر مخموم القلب اور زبان کا سچا انسان، لوگوں نے کہا: زبان کے سچے کو تو ہم پہچانتے ہیں، مخموم القلب کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ پرہیزگار (متقی) پاک دامن جس کے دل میں نہ گناہ ہو، نہ بغاوت، نہ بغض ہو، نہ حسد۔(ابن ماجہ:۴۲۱۶ وسندہ حسن)

سیدنا عطیہ سعدی سے روایت ہے جو صحابہ کرام میں سے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بندہ اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک وہ ضرررساں اشیاء سے بچنے کے لئے بے ضرر اشیاء کو بھی چھوڑ نہ دے''

(ترمذی:۲۴۵۱، ابن ماجہ:۴۲۱۵ واسنادہ حسن)

حافظ زبیر علی زئی

ارکانِ اسلام وایمان

فقہ الحدیث

لا وورواه أبو هريرة مع اختلاف ، وفيه :" وإذا رأيت الحفاة العراة الصم البكم ملوك الأرض في خمس لا يعلمهن إلا الله ـ ثم قرأ :﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ﴾الاية (لقمان : ۳۴)

سیدنا ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے (یہی روایت) مع اختلاف مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: اور جب تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، گونگے بہرے چرواہے زمین کے بادشاہ بن جائیں گے (یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے) پانچ (نشانیوں) کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، پھر انہوں نے قرأت کی ﴿بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے﴾ متفق علیہ (البخاری: ۵۰، مسلم: ۹، مصابیح السنۃ: ۱)

فقه الحديث:

۱: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی پوری حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے: وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے پوچھو، صحابہ نے سوال کرنے سے خوف محسوس کیا تو ایک آدمی آیا اور (آکر) آپ کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر کہا: اے اللہ کے رسول! اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کے ساتھ کچھ (بھی) شرک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو (یہ اسلام ہے)

اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: (ایمان یہ ہے) کہ تم، اس (اللہ) کے فرشتوں، کتابوں، ملاقات (آخرت) اور رسولوں پر ایمان لاؤ، مرنے کے بعد (دوبارہ) زندگی کا یقین کرو اور ساری تقدیر کو مانو (کہ خیر اور شر اللہ ہی طرف سے ہے)

اس نے کہا: آپ نے سچ کہا، اے اللہ کے رسول! احسان کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ سے اس طرح ڈرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھتے (یعنی یہ درجہ حاصل نہ ہو سکے تو کم از کم یہ یقین کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، اس نے کہا: آپ نے سچ کہا۔ اے اللہ کے رسول، قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اور میں تمہیں اس کی نشانیاں بتاتا ہوں، جب تم دیکھو کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، گونگے، بہرے، چرواہے زمین کے بادشاہ بن رہے ہیں تو یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ یہ (قیامت) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جسے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿ بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے اور (تمام) ارحام میں کیا ہے وہی جانتا ہے۔ کسی انسان کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی جان دار کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس زمین میں فوت ہوگا۔ پھر وہ آدمی کھڑا ہوگیا (اور چلا گیا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے واپس بلاؤ، اسے تلاش کیا گیا (لیکن) وہ نہ ملا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام ہیں، یہ اس لئے تشریف لائے تھے کہ تمہیں (دین) سکھائیں کیونکہ تم خود سوال نہیں کرنا چاہتے تھے۔

۲: قیامت کا علم اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔

۳: ثقہ راوی کی زیادت مقبول اور حجت ہوتی ہے۔

۴: قرآن وحدیث میں قیامت کی جتنی نشانیاں مذکور ہیں ان کے وقوع کے بعد ہی قیامت آئے گی۔

۵: تقدیر پر ایمان لانا فرض اور رکنِ ایمان ہے، جو لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں وہ اہلِ بدعت وگمراہ ہیں۔

۶: حدیث قرآن کی شرح ہے۔ وغیر ذلك من الفوائد۔

(۷) وعن ابن عمر ، قال :قال رسول الله ﷺ :بني الإسلام على خمس :شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله ، وإقام الصلاة ، وإيتاء الزكاة والحج وصوم رمضان ۔

عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ (ارکان) پر ہے، گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی اِلہ (معبود برحق) نہیں ہے، اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

متفق علیہ (بخاری:۸، مسلم:۱۶، مصابیح السنۃ:۲)

فقه الحديث :

۱: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان اصلاً ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

۲: تارک الصلوۃ کی تکفیر میں سلف صالحین میں اختلاف ہے، جمہور اس کی تکفیر کے قائل ہیں، نصوصِ شرعیہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے صحیح تحقیق یہ ہے کہ جو شخص مطلقاً نماز ترک کردے، بالکل نہ پڑھے وہ کافر ہے، اور جو شخص کبھی پڑھے اور کبھی نہ پڑھے تو ایسا شخص کافر نہیں ہے مگر سخت مجرم اور فاسق ہے، اس کا فعل کفریہ ہے، خلیفۃ المسلمین اس پر تعزیر نافذ کرسکتا ہے اس پر اجماع ہے کہ نماز، زکوۃ، رمضان کے روزے اور حج کا انکار کرنے والا کافر اور ملتِ اسلامیہ سے خارج ہے۔

حافظ ندیم ظہیر

کلمۃ الحدیث

وقت کا تقاضا

امتِ مسلمہ جن مسائل سے دوچار ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں مخصوص مفکرین، سکالرز اور دانشور حضرات ان مسائل کی گتھی سلجھانے کی سعی لا حاصل میں مصروف ہیں، لیکن ابھی تک ان حضرات کے لئے ''صحیح سمت کا تعین'' ہی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ جیسا کہ چاول کاشت کر کے اگر کوئی یہ توقع رکھتا ہے کہ یہاں گندم کا کھیت لہلہائے گا تو اسے کوئی بھی سلیم الطبع اور عقل مند شخص تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوگا۔ لیکن ہماری اجتماعی حالت یہ رہی ہے بلکہ اب تو عادت بن چکی ہے کہ بیج کانٹوں کا بوتے ہیں اور انتظار پھولوں کے کھلنے کا کرتے ہیں، سامانِ گلشن کی بربادی کا کرتے ہیں اور منتظر نظارۂ بہار ہوتے ہیں حاصل یہ ہے کہ ہمارے ماضی قریب کی تاریخ، خود فریبیوں، خوش فہمیوں، جھوٹی امیدوں، مایوسیوں اور حسرتوں کی روداد مکرر بن کر رہ گئی ہے۔ اور یہ سب اپنوں اور بیگانوں کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے، بالخصوص ہمارے زعماء جو قرآن و حدیث کو نظر انداز کر کے مغرب سے براہ راست وحی کے منتظر رہتے ہیں، سنن کے احیاء کے بجائے شرک و بدعت، کفر والحاد اور تقلیدی خرافات کا اجراء کر رہے ہیں۔ فحاشی و بے حیائی کی روک تھام تو درکنار اس کے برعکس (فحاشی و بے حیائی سے لبریز) میوزیکل شو (Musical Show) میں مہمانِ خصوصی کی کرسی پر براجمان ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں، مظلوم سے ہمدری کے دو بول؟...... ظالم کے ساتھ کھڑا ہونے میں اعزاز سمجھتے ہیں، ایسے میں وقت کا تقاضا ہے کہ ہمارے امراء اور عوام سلف صالحین کے دورِ حکومت کو ذہن نشین کریں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو ارشاد فرمایا:

''لوگو! مجھے تمہارا حکمران مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہترین نہیں ہوں اگر میں حق پر ہوں تو میرے ساتھ تعاون کرو اور اگر باطل پر پاؤ تو مجھے سیدھا کرو، یاد رکھو تم میں سے زیادہ کمزور میرے نزدیک طاقتور ہے جب تک میں اسے اس کا حق دلا نہ دوں، اور تم میں سے قوی میرے نزدیک ضعیف ہے جب تک میں اس سے حق وصول نہ کرلوں ان شاء اللہ، (آپ لوگ) جہاد فی سبیل اللہ کو ترک نہ کرنا کیونکہ جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے اور فحاشی و بے حیائی سے احتراز کرنا، کیونکہ بے حیاء قوم کو اللہ تعالیٰ مختلف آزمائشوں (فتنوں) میں مبتلا کر دیتا ہے، جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں تو میری اطاعت کرو، جب میں اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں ہے۔'' (سیرۃ ابن ہشام: ۳۱۱/۴ وسندہ حسن)

ایسے اوصاف کے حامل حکمران ہی امتِ مسلمہ کو درپیش مسائل سے نجات دلا سکتے ہیں۔ وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طریق الجنة

حافظ زبیر علی زئی

جنت کا راستہ

کافی عرصہ پہلے استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے "جنت کا راستہ" نامی ایک کتاب لکھی تھی، اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں آیاتِ قرآنیہ، صحیح اور حسن لذاتہ احادیث اور اجماع سے استدلال کیا گیا ہے، کسی ضعیف یا حسن لغیرہ حدیث سے اصول بلکہ شواہد میں بھی حجت نہیں پکڑی گئی غرضیکہ اس کتاب میں ہر وہ حدیث جسے بطور استدلال پیش کیا گیا ہے، بالکل صحیح اور حجت ہے، اسی لئے عوام وخواص کے استفادہ کے لئے مکمل کتاب مع اضافہ وفوائد "ماہنامہ الحدیث" میں شائع کیا جارہا ہے۔ (حافظ ندیم ظہیر)

(۱) ہمارا عقیدہ: ہم اس بات کی دل، زبان اور عمل سے گواہی دیتے ہیں کہ **لا إله إلا الله** اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ اللہ ہی حاکم اعلیٰ، قانون ساز، حاجت روا، مشکل کشا اور فریاد رس ہے۔ ہم اس کی ساری صفات کو بلا کیف بلا تمثیل اور بلا تعطیل مانتے ہیں۔ وہ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔ **کما یلیق بشأنه،** اس کا علم اور قدرت کائنات کی ہر چیز کو محیط ہے۔ اور ہم اس بات کی دل، زبان اور عمل سے گواہی دیتے ہیں کہ **محمد رسول الله** سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ خاتم النبیین، امام کائنات، افضل البشر، ہادی برحق اور واجب الاتباع ہیں۔ آپ کی نبوت، امامت اور رسالت قیامت تک ہے۔ آپ کا قول، عمل اور اقرار سب حجت برحق ہے۔ آپ کی سچی پیروی میں دونوں جہانوں کی کامیابی کا یقین ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں دونوں جہانوں کی ناکامی اور تباہی کا یقین ہے۔ **أعاذنا الله منه**

ہم قرآن اور صحیح حدیث کو حجت اور معیارِ حق مانتے ہیں۔ چونکہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ امت مسلمہ گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی الخ مثلاً دیکھئے المستدرک (۱/۱۱۶ ح ۳۹۹ عن ابن عباس) لہذا ہم اجماع امت کو بھی حجت مانتے ہیں۔ یاد رہے کہ صحیح حدیث کے خلاف اجماع ہوتا ہی نہیں۔ ہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو عدول اور اپنا محبوب مانتے ہیں۔ تمام صحابہ کو حزب اللہ اور اولیاء اللہ سمجھتے ہیں، ان کے ساتھ محبت کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ جو اُن سے بُغض رکھتا ہے ہم اس سے بُغض رکھتے ہیں۔ ہم تابعین وتبع تابعین اور ائمہ مسلمین مثلاً امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابوحنیفہ، امام بخاری امام مسلم، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابوداود، امام ابن ماجہ وغیرہم رحمہم اللہ سے محبت اور پیار کرتے ہیں۔ اور جو شخص ان سے بُغض رکھے ہم اس سے بُغض رکھتے ہیں۔

توحید، رسالتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تقدیر پر ہمارا کامل ایمان ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء و رسل کی نبوتوں اور رسالتوں کا اقرار کرتے ہیں۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید مخلوق نہیں ہے۔ ہم ایمان میں کمی و بیشی کے بھی قائل ہیں، یعنی ہمارے نزدیک ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ اہلِ سنت کے جو عقائد ہمارے علماء سلف نے بیان کئے ہیں، ہمارا ان پر ایمان اور یقین ہے۔ مثلاً امام ابن خزیمہ، امام عثمان بن سعید الدارمی، امام بیہقی، امام ابن ابی عاصم، امام ابن مندہ، امام ابو اسماعیل الصابونی، امام عبدالغنی المقدسی، امام ابن قدامہ، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام آجری اور امام لالکائی وغیرہم رحمهم الله أجمعين۔

(۲) ہمارا اصول: حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا دارومدار محدثین کرام پر ہے۔ جس حدیث کی صحت یا راوی کی توثیق پر محدثین کا اتفاق ہے، تو وہ حدیث یقیناً و حتماً صحیح ہے اور راوی بھی یقیناً و حتماً ثقہ ہے۔ اور اسی طرح جس حدیث کی تضعیف یا راوی کی جرح پر محدثین کا اتفاق ہے، تو وہ حدیث یقیناً اور حتماً مجروح ہے۔ جس حدیث کی تصحیح و تضعیف اور راوی کی توثیق و تجریح میں محدثین کا اختلاف ہو (اور تطبیق و توفیق ممکن نہ ہو) تو ہمیشہ اور ہر حال میں ثقہ ماہر اہل فن مستند محدثین کی اکثریت کی تحقیق اور گواہی کو صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ ان اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مختصر کتاب میں بعض اختلافی مسائل کے بارے میں صحیح تحقیق پیش خدمت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مسلم و مومن زندہ رکھے اور اسلام و ایمان پر ہی موت دے۔ آمین

(۳) اہل الحدیث کی فضیلت: یہ بالکل درست ہے کہ قرآن کریم نے امت محمدیہ کو مسلم کا لقب دیا ہے لیکن اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کی ایک خاص جماعت جس کو حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علمی و عملی شغف رہا، وہ جماعت اپنے آپ کو لقب اہل حدیث سے ملقب کرتی رہی ہے (خاتمہ اختلاف: ص ۱۰۷، ۱۰۸) مسلمانوں کے لیے اہل سنت اور اہل حدیث وغیرہ، القاب بے شمار ائمہ مسلمین مثلاً محمد بن سیرین، ابن المدینی بخاری، احمد بن سنان، ابن المبارک، ترمذی وغیرہم سے ثابت ہیں اور کسی ایک مستند امام یا عالم سے اس کا انکار مروی نہیں ہے۔ لہذا ان القاب کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔ تمام مستند علماء نے طائفہ منصورہ والی حدیث کا مصداق اہل الحدیث واصحاب الحدیث کو قرار دیا ہے۔ (دیکھئے سنن ترمذی: ج ۴ ص ۵۰۵ ط بیروت ح ۲۲۲۹)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لا تزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين إلى يوم القيامة "

میری امت کا ایک طائفہ (گروہ) ہمیشہ، قیامت تک، حق پر قتال کرتا رہے گا (اور) غالب رہے گا۔

(مسألۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب: ص ۳۴، وسندہ حسن ولہ شاہد صحیح فی صحیح مسلم: ۱۹۲۳)

اس حدیث کے بارے میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' یعني أهل الحدیث '' یعنی اس سے مراد اہل الحدیث ہیں۔ (مسألۃ الاحتجاج بالشافعی ص ۳۵، وسندہ صحیح)

یہ دونوں اصحاب الحدیث اور اہلِ الحدیث نام ایک ہی جماعت کے صفاتی نام ہیں۔

امام احمد بن سنان الواسطی (متوفی ۲۵۹ھ) فرماتے ہیں:

'' لیس في الدنیا مبتدع إلا وهو یبغض أهل الحدیث ، وإذا ابتدع الرجل نزع حلاوة الحدیث من قلبه''

دنیا میں جو بھی بدعتی ہے وہ اہل حدیث سے بغض رکھتا ہے۔ اور آدمی جب بدعتی ہو جاتا ہے تو حدیث کی مٹھاس اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم: ص ۴ واسنادہ صحیح)

اہل الحدیث والآثار کے فضائل کے لیے خطیب بغدادی کی شرف اصحاب الحدیث، ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ اور عبدالحئ لکھنوی کی امام الکلام (ص ۲۱۶) وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

(۴) محدثین کا مسلک: کسی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے پوچھا کہ کیا بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی نسائی، ابن ماجہ، ابو داود الطیالسی، الدارمی، البزار، الدارقطنی، البیہقی، ابن خزیمہ اور ابو یعلی موصلی رحمہم اللہ مجتہدین میں سے تھے یا کسی امام کے مقلد تھے؟ تو انہوں نے ''الحمد للہ رب العالمین'' کہتے ہوئے جواب دیا:

'' أما البخاري و أبو داود فإما مان في الفقه من أهل الإ جتهاد و أما مسلم والترمذي والنسائي و ابن ماجه وابن خزیمة وأبو یعلی و البزار فهم علی مذهب أهل الحدیث لیسوا مقلدین لواحد بعینه من العلماء۔۔ وهؤ لاء کلهم یعظمون السنة والحدیث إلخ ''

امام بخاری اور امام ابوداود، دونوں فقہ میں مجتہد (مطلق) ہیں۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن خزیمہ، امام ابویعلی، اور امام بزار اہل الحدیث کے مذہب پر تھے۔ کسی ایک عالم کے (بھی) مقلد نہیں تھے اور یہ سب سنت وحدیث کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ الخ (مجموع فتاوی: ج ۲۰ ص ۴۰)

امام بیہقی نے تقلید کے خلاف اپنی مشہور کتاب السنن الکبریٰ میں باب باندھا ہے۔ (ج ۱۰ ص ۱۱۳) لہذا محدثین کو خواہ مخواہ دروغ گوئی کرتے ہوئے اور اپنے نمبر بڑھانے کے لیے مقلدین میں شمار کرنا غلط ہے۔ یاد رہے کہ اہل الحدیث سے مراد محدثین بھی ہیں اور ان کے پیروکار بھی۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ج ۴ ص ۹۵) اہل حدیث کا یہ بہت بڑا شرف ہے کہ ان کا امام (اعظم صرف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (تفسیر ابن کثیر: ج ۳ ص ۵۲، بنی اسرائیل: ۷۱) نیز دیکھئے (تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۳۷۸، آل عمران: ۸۱، ۸۲)

(۵) صحیحین کا مقام: اس پر امت کا اجماع ہے کہ صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث صحیح اور قطعی الصحت ہیں۔(مقدمہ ابن الصلاح:ص ۴۱، اختصار علوم الحدیث لابن کثیر:ص ۳۵)
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:" صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں۔ کہ ان کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔"(حجۃ اللہ البالغۃ:ص ۲۴۲ مترجم عبدالحق حقانی)

(۶) تقلید: جو شخص نبی نہیں ہے اس کی بات کو بغیر دلیل کے ماننے کو تقلید کہتے ہیں۔ دیکھئے (مسلم الثبوت: ص ۲۸۹) اس تعریف پر امت مسلمہ کا اجماع ہے (الاحکام لابن حزم:ص ۸۳۶) لغت کی کتاب ''القاموس الوحید'' میں تقلید کا درج ذیل مفہوم لکھا ہوا ہے: ''بے سوچے سمجھے یا بے دلیل پیروی، نقل، سپردگی''
''بلادلیل پیروی، آنکھ بند کر کے کسی کے پیچھے چلنا، کسی کی نقل اتارنا جیسے'' قلد القرد الانسان '' (ص ۱۳۴۶) نیز دیکھئے المعجم الوسیط (ص ۷۵۴)
جناب مفتی احمد یار نعیمی بدایوانی بریلوی نے غزالی سے نقل کیا ہے کہ:
" التقلید هو قبول قول بلا حجة '' (جاء الحق ج ا ص ۱۵ طبع قدیم)
اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب سے پوچھا گیا کہ:''تقلید کی حقیقت کیا ہے اور تقلید کس کو کہتے ہیں؟ ''تو انہوں نے فرمایا:''تقلید کہتے ہیں امتی کا قول ماننا بلا دلیل'' عرض کیا گیا کہ کیا اللہ اور رسول ﷺ کے قول کو ماننا بھی تقلید کہلائے گا؟ فرمایا:''اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننا تقلید نہ کہلائے گا وہ اتباع کہلاتا ہے'' (الافاضات الیومیہ رملفوظات حکیم الامت ۳/۱۵۹ ملفوظ ۲۲۸) یاد رہے اصول فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ: قرآن ماننا، رسول ﷺ کی حدیث ماننا، اجماع ماننا، گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا، عوام کا علماء کی طرف رجوع کرنا (اور مسئلہ پوچھ کر عمل کرنا) تقلید نہیں ہے۔(دیکھئے مسلم الثبوت:ص ۲۸۹ والتقریر والتحبیر :۳/۴۵۳)
محمد عبیداللہ الاسعدی دیوبندی تقلید کے اصطلاحی مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:''کسی کی بات کو بلا دلیل مان لینا تقلید کی اصل حقیقت یہی ہے لیکن .....'' (اصول الفقہ ص ۲۶۷) اصل حقیقت کو چھوڑ کر نام نہاد دیوبندی فقہاء کی تحریفات کون سنتا ہے!
احمد یار نعیمی صاحب لکھتے ہیں کہ:''اس تعریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کا ہر قول وفعل دلیل شرعی ہے تقلید میں ہوتا ہے: دلیل شرعی کو نہ دیکھنا، لہذا ہم حضور ﷺ کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد، اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی

بات یا ان کے کام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا....(جاء الحق ج اص ۱۶)

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی پیروی سے منع کیا ہے جس کا علم نہ ہو (سورہ بنی اسرائیل: ۳۶) یعنی بغیر دلیل والی بات کی پیروی ممنوع ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بذات خود دلیل ہے اور اجماع کے حجت ہونے پر دلیل قائم ہے۔ لہذا قرآن، حدیث اور اجماع کو ماننا تقلید نہیں ہے۔ دیکھئے (التحریر لابن ہمام: ج ۴ ص ۲۴۱، ۲۴۲ فواتح الرحموت: ج ۲ ص ۴۰۰) اللہ اور رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی شخص کی بھی تقلید کرنا شرک فی الرسالت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دین میں رائے کے ساتھ فتویٰ دینے کی مذمت فرمائی ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۰۸۶/۲ ح ۷۳۰۷) عمر رضی اللہ عنہ نے اہل الرائے کو سنتِ نبوی ﷺ کا دشمن قرار دیا ہے (اعلام الموقعین: ج ۱ ص ۵۵)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ان آثار کی سند بہت زیادہ صحیح ہے۔ (ایضاً)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: " **أما زلة عالم فان اهتدى فلا تقلدوه دينكم** "

اور رہی عالم کی غلطی، اگر وہ ہدایت پر (بھی) ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔

(کتاب الزہد للامام وکیع ج ۱ ص ۳۰۰ ح ۷۱ وسندہ حسن، کتاب الزہد لابی داود ص ۷۷ ح ۱۹۳ وحلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۹۷ وجامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ج ۲ ص ۱۳۶ والاحکام لابن حزم ج ۶ ص ۲۳۶ وصححہ ابن القیم فی اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۳۹)

اس روایت کے بارے میں امام دار قطنی نے فرمایا:

" **والموقوف هو الصحيح** " اور (یہ) موقوف (روایت) ہی صحیح ہے (العلل الواردۃ ج ۶ ص ۸۱ سوال ۹۹۲)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی تقلید سے منع کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ: ۱۰/۲ وسندہ صحیح) ائمہ اربعہ (امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) نے بھی اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کیا ہے (فتاوی ابن تیمیہ: ج ۲ ص ۱۰، ۲۱۱، اعلام الموقعین: ج ۲ ص ۱۹۰، ۲۰۰، ۲۰۷، ۲۱۱، ۲۲۸) کسی امام سے بھی یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہے کہ اس نے کہا ہو: "میری تقلید کرو" اس کے برعکس یہ بات ثابت ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید کی بدعت چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوئی ہے۔ (اعلام الموقعین: ج ۲ ص ۲۰۸) اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تقلید جہالت کا دوسرا نام ہے اور مقلد جاہل ہوتا ہے۔ (جامع بیان العلم: ج ۲ ص ۱۱۷، اعلام الموقعین: ج ۲ ص ۱۸۸، ج ۱ ص ۷) ائمہ مسلمین نے تقلید کے رد میں کتابیں لکھی ہیں مثلاً امام ابو محمد القاسم بن محمد القرطبی (متوفی ۲۷۶ھ) کی کتاب " **الإيضاح في الرد على المقلدين** " (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۳۲۹) جبکہ کسی ایک مستند امام سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ اس نے تقلید کے وجوب یا جواز پر کوئی کتاب یا تحریر لکھی ہو۔ مقلدین حضرات ایک دوسرے سے خونریز جنگیں لڑتے رہے ہیں (معجم البلدان: ج ۱ ص ۲۰۹، ج ۳ ص ۱۱۷، الکامل لابن الاثیر: ج ۸ ص ۳۰۷، ۳۰۸، وفیات الاعیان: ج ۳ ص ۲۰۸) ایک دوسرے کی تکفیر کرتے رہے ہیں (میزان الاعتدال: ج ۴ ص ۵۲، الفوائد البہیہ ص ۱۵۲، ۱۵۳)۔ انہوں نے بیت اللہ میں چار مصلے قائم

کر کے امت مسلمہ کو چار ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ چار اذانیں چار اقامتیں اور چار امامتیں!! چونکہ ہر مقلد اپنے زعم باطل میں اپنے امام و پیشوا سے بندھا ہوا ہے، اس لئے تقلید کی وجہ سے امت مسلمہ میں کبھی اتفاق و امن نہیں ہوسکتا۔ لہذا آیئے ہم سب مل کر کتاب وسنت کا دامن تھام لیں۔ کتاب وسنت میں ہی دونوں جہانوں کی کامیابی کا پورا پورا یقین ہے۔

(۷) نماز: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

"لما بعث النبي صلی اللّٰه علیه وسلم معاذ بن جبل نحو أهل الیمن قال له إنك تقدم علی قوم من أهل الکتاب فلیکن أول ما تدعوهم إلی أن یوحدوا اللّٰه فإذا عرفوا ذلك فأخبرهم أن اللّٰه فرض علیهم خمس صلوات في یومهم ولیلتهم فإذا صلوا۔۔۔الخ

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں کہا: تم اہل کتاب قوم کے پاس جارہے ہو۔ پس انہیں سب سے پہلے توحید کی دعوت دینا، جب وہ توحید (لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ) پہچان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن، رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ نماز پڑھنے لگیں تو۔۔۔الخ

(صحیح بخاری: ۱/۱۹۶ ح ۱۴۵۸، ۲/۱۰۹۶ ح ۷۳۷۲، واللفظ لہ، صحیح مسلم: ۱/۳۶ ح ۱۹)

فرض اور تطوع (غیر فرض) نماز کی تعداد، رکعات اور تمام تفصیل رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے بیان فرما دی ہے اور اپنی امت کو حکم دیا کہ:

''صلّوا کما رأیتموني أصلّي" نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا ہے

(صحیح بخاری ۱/۸۸ ح ۶۳۱، ۲/۸۸۸ ح ۶۰۰۸، ۲/۱۰۷۶ ح ۷۲۴۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کا طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیکھا۔ انہوں نے اس طریقہ مبارک کو احادیث کی شکل میں آگے پہنچایا۔ لہذا ثابت ہوا کہ امت مسلمہ نے نماز کا طریقہ احادیث سے سیکھا ہے۔ امت میں سے جس شخص یا گروہ کا طریقۂ نماز ان احادیث کے خلاف ہے، مثلاً مالکیوں کا ارسال یدین وغیرہ تو انہیں چاہیے کہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں اپنی نمازوں کی اصلاح کر لیں۔

(۸) اوقات نماز: حدیث جبریل علیہ السلام (فی اوقات الصلوۃ) میں ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زوال کے بعد ظہر پڑھائی پھر ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھائی ......الخ اور دوسرے دن ایک مثل پر ظہر اور دو مثل پر عصر کی نماز پڑھائی۔ مغرب گذشتہ (کل) کی طرح غروب آفتاب کے بعد پڑھائی الخ۔ اور فرمایا: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ سے پہلے انبیاء (علیہم السلام) کا یہ وقت ہے اور نماز کا وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔'' اسے ترمذی (ح ۱۴۹) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن ص ۱۲۲ ح ۱۹۴ وقال: إسنادہ حسن) اس قسم کی احادیث

جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی اچھی سندوں کے ساتھ مروی ہیں۔ نیموی حنفی فرماتے ہیں: ''مجھے کوئی حدیث صریح صحیح یا ضعیف نہیں ملی جو اس پر دلالت کرے کہ ظہر کا وقت سایہ کے دو مثل ہونے تک ہے۔'' (آثار السنن ص ۱۶۸ ح ۱۹۹ مترجم اُردو)

یاد رہے کہ بعض دیوبندیہ و بریلویہ اس سلسلہ میں مبہم اور غیر واضح شبہات پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اصولِ فقہ میں یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ منطوق، مفہوم پر مقدم ہوتا ہے۔

دیکھئے فتح الباری۔ (ج ۲ ص ۲۴۲، ۲۹۷، ۴۳۰، ج ۴ ص ۳۸۲، ۳۸۶، ج ۹ ص ۳۶۹، ج ۱۲ ص ۲۰۳)

(۹) نیت کا مسئلہ : اس میں شک نہیں کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ (صحیح بخاری: ۹۹۰/۲ ح ۶۶۸۹ صحیح مسلم: ۱۴۰/۲، ۱۴۱ ح ۱۵۵/۱۹۰۷) لیکن نیت دل کے ارادے اور مقصد کو کہتے ہیں، قصد و ارادہ کا مقام دل ہے زبان نہیں (الفتاوی الکبریٰ لابن تیمیہ ج ۱ ص ۱) زبان کے ساتھ نیت کرنا نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی سے اور نہ کسی تابعی سے الخ (زاد المعاد ج ۱ ص ۲۰۱) تفصیل کے لئے دیکھئے ہدیۃ المسلمین، حدیث: ۱

(۱۰) جرابوں پر مسح : امام ابوداود السجستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ومسح على الجوربين علي بن أبي طالب و أبو مسعود و البراء بن عازب و أنس بن مالك وأبو أمامة و سهل بن سعد وعمرو بن حريث ، وروى ذلك عن عمر بن الخطاب و ابن عباس''

اور علی بن ابی طالب، ابو مسعود (ابن مسعود) اور براء بن عازب، انس بن مالک، ابو امامہ، سہل بن سعد اور عمرو بن حریث نے جرابوں پر مسح کیا اور عمر بن خطاب اور ابن عباس سے بھی جرابوں پر مسح مروی ہے (رضی اللہ عنہم اجمعین)

(سنن ابی داود: ۲۴/۱ ح ۱۵۹)

صحابہ کرام کے یہ آثار مصنف ابن ابی شیبہ (۱۸۸/۱، ۱۸۹) مصنف عبدالرزاق (۱۹۹/۱، ۲۰۰) محلی ابن حزم (۸۴/۲) الکنیٰ للدولابی (ج ۱ ص ۱۸۱) وغیرہ میں باسند موجود ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر الاوسط لابن المنذر (ج ۱ ص ۴۶۲) میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

''ولأ ن الصحابة رضي الله عنهم مسحوا على الجوارب ولم يظهر لهم مخالف في عصر هم فكان اجماعاً''

اور چونکہ صحابہ نے جرابوں پر مسح کیا ہے اور ان کے زمانے میں ان کا کوئی مخالف ظاہر نہ ہوا۔ لہذا اس پر اجماع ہے کہ جرابوں پر مسح کرنا صحیح ہے۔ (المغنی: ۱۸۱/۱ مسئلہ ۴۲۶)

صحابہ کے اس اجماع کی تائید میں مرفوع روایات بھی موجود ہیں۔ مثلاً دیکھئے (المستدرک: ج ۱ ص ۱۶۹ ح ۶۰۲)

خفین پر مسح متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ جرابیں بھی خفین کی ایک قسم ہیں جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی اور نافع وغیرہم سے مروی ہے۔ جو لوگ جرابوں پر مسح کے منکر ہیں، ان کے پاس قرآن، حدیث اور اجماع سے ایک بھی صریح دلیل نہیں ہے۔

امام ابن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''حدثنا محمد بن عبدالوهاب :ثنا جعفر بن عون :ثنا يزيد بن مردانبة :ثنا الوليد بن سريع عن عمرو بن حريث قال :رأيت علياً بال ثم توضأ ومسح على الجوربين ''

مفہوم:

۱: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔ (الاوسط ج ۱ ص ۴۶۲) اس کی سند صحیح ہے۔

۲: ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا، دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۱۸۸ ح ۱۹۷۹) وسندہ حسن

۳: براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا، دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۱۸۹ ح ۱۹۸۴) وسندہ صحیح

۴: عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا، دیکھئے ابن ابی شیبہ (۱/۱۸۹ ح ۱۹۸۷) اور اس کی سند صحیح ہے۔

۵: سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا، دیکھئے ابن ابی شیبہ (۱/۱۸۹ ح ۱۹۹۰) وسندہ حسن

ابن منذر نے کہا کہ: امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ: ''صحابہ کا اس مسئلے پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (الاوسط لابن المنذر ۱/۴۶۴، ۴۶۵) تقریباً یہی بات ابن حزم نے کہی ہے (المحلی ۲/۸۶، مسئلہ نمبر ۲۱۲) ابن قدامہ نے کہا: اس پر صحابہ کا اجماع ہے (المغنی ج ۱ ص ۱۸۱، مسئلہ ۴۲۶)

معلوم ہوا کہ جرابوں پر مسح کے جائز ہونے کے بارے میں صحابہ کا اجماع ہے رضی اللہ عنہم اجمعین، اور اجماع شرعی حجت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اللہ میری امت کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا'' (المستدرک للحاکم ۱/۱۱۶ ح ۳۹۷، ۳۹۸) نیز دیکھئے ''ابراء اھل الحدیث والقرآن مما فی الشواہد من التھمۃ والبھتان'' ص ۳۲، تصنیف حافظ عبداللہ محدث غازی پوری (متوفی ۱۳۳۷ھ) تلمیذ سید نذیر حسین محدث الدہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ

مزید معلومات:

۱: ابراہیم النخعی رحمہ اللہ جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۸ ح ۱۹۷۷) اس کی سند صحیح ہے۔

۲: سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے جرابوں پر مسح کیا۔ (ایضاً ۱/۱۸۹ ح ۱۹۸۹) اس کی سند صحیح ہے۔

۳: عطاء بن ابی رباح جرابوں پر مسح کے قائل تھے۔ (المحلی ۲/۸۶)

معلوم ہوا کہ تابعین کا بھی جرابوں پر مسح کے جواز پر اجماع ہے۔ والحمد للہ

۱: قاضی ابو یوسف جرابوں پر مسح کے قائل تھے۔ (الھدایہ ج ۱ ص ۶۱)

۲: محمد بن الحسن الشیبانی بھی جرابوں پر مسح کا قائل تھا۔(ایضاً ۱/۶۱ باب المسح علی الخفین)

۳: امام ابوحنیفہ پہلے جرابوں پر مسح کے قائل نہیں تھے لیکن بعد میں انہوں نے رجوع کرلیا تھا۔

''وعنه أنه رجع إلى قولهما وعليه الفتوى''

اور امام صاحب سے مروی ہے کہ: انہوں نے صاحبین کے قول پر رجوع کرلیا تھا اور اسی پر فتوی ہے۔(الھدایہ: ج ۱ ص ۶۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سفیان الثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد اور اسحاق (بن راھویہ) جرابوں پر مسح کے قائل تھے۔(بشرطیکہ وہ موٹی ہوں)

دیکھئے سنن الترمذی حدیث:۹۹

جورب: سوت یا اون کے موزوں کو کہتے ہیں، (درس ترمذی ج ۱ ص ۳۳۴ تصنیف محمد تقی عثمانی دیوبندی) نیز دیکھئے البنایہ فی شرح الھدایہ للعینی (ج ۱ ص ۵۹۷)

تنبیہ: بعض لوگ ''جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے!'' سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فتوے سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ خود سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''باقی رہا صحابہ کا عمل تو ان سے مسح جراب ثابت ہے اور تیرہ صحابہ کرام کے نام صراحت سے معلوم ہیں کہ وہ جراب پر مسح کیا کرتے تھے'' (فتاوی نذیریہ: ج ۱ ص ۳۳۲)

لہذا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کا جرابوں پر مسح کے خلاف فتوی اجماعِ صحابہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۱۱) نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا: ھلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''ورأیتہ :یضع ھذہ علی صدرہ'' اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ اپنا یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔(مسند احمد: ۵/۲۲۶ ح ۲۲۳۱۳) اس کی سند حسن ہے۔ صحیح بخاری (۱/۱۰۲ ح ۷۴۰) میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ والی حدیث کا عموم بھی اس کا مؤید ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی ایک صحابی سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا قطعاً ثابت نہیں ہے۔ مردوں کا ناف کے نیچے اور عورتوں کا سینہ پر ہاتھ باندھنا کسی صحیح تو درکنار ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے۔

(۱۲) فاتحہ خلف الامام: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب " اس شخص کی نماز ہی نہیں جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

(صحیح بخاری: ۱/۱۰۴ ح ۷۵۶، صحیح مسلم: ۱/۱۶۹ ح ۳۴/۳۹۴)

یہ حدیث متواتر ہے (جزء القراءۃ للبخاری: ح ۱۹) اس حدیث کے راوی سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل و فاعل تھے۔(کتاب القرأت للبیہقی :ص ۶۹ ح ۱۳۳، وسندہ صحیح نیز دیکھئے احسن الکلام: ۲/۱۴۲)

متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو امام کے پیچھے جہری اور سری دونوں نمازوں میں

سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے، مثلاً مشہور تابعی نافع بن محمود الانصاری مشہور بدری صحابی عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا:

" فلا تقرؤ ابشيً من القرآن إذا جهرت إلا بأم القرآن"

جب میں اونچی آواز سے قرآن پڑھ رہا ہوتا ہوں تو سوائے سورہ فاتحہ کے قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھو۔

(سنن ابی داؤد:۱/۱۲۶ح ۸۲۴، سنن نسائی:۱/۱۴۶ح ۹۲۱)

اس حدیث کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں: "وهذا إسناد صحيح و رواته ثقات" اور یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (کتاب القرأت:ص ۶۷ح ۱۲۱)

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

"هذا إسناد حسن ورجاله ثقات كلهم" یہ سند حسن ہے اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔(سنن دارقطنی:۱/۳۲۰)

اس قسم کی دیگر احادیث کو میں نے اپنی کتاب "الكواكب الدرية في وجوب الفاتحة خلف الإمام في الجهرية" میں جمع کر دیا ہے۔

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے جہری اور سری دونوں نمازوں میں فاتحہ پڑھنے کے قائل اور فاعل تھے۔ مثلاً ابوہریرہ، ابوسعید الخدری، عبداللہ بن عباس، عبادہ بن الصامت، انس بن مالک، جابر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم۔ ان آثارِ صحابہ کو میں نے اپنی کتاب " کاندھلوی صاحب اور فاتحہ خلف الامام" (الکواکب الدریہ) میں تفصیلاً جمع کر دیا ہے اور ان کا صحیح و حسن ہونا محدثین کرام سے ثابت کیا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جہری اور سری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ (صحیح مسلم:۱/۱۶۹ح ۳۸/۳۹۵، مسند حمیدی ح ۹۸۰ و صحیح ابوعوانہ:۲/۱۲۸)

اور فرماتے ہیں کہ:"جب امام سورہ فاتحہ پڑھے تو تم بھی پڑھو اور اسے اس سے پہلے ختم کر دو"

(جزء القرأۃ للبخاری: ح ۲۳۷، ۲۸۳ واسنادہ حسن، آثار السنن: ح ۳۵۸)

یزید بن شریک التابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

" أنه سأل عمر عن القرأة خلف الإمام فقال: اقرأ بفاتحة الكتاب، قلت: وإن كنت أنت؟ قال: وإن كنتُ أنا ، قلت: وإن جهرت؟ قال: وإن جهرتُ"

انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: سورہ فاتحہ پڑھ، انہوں نے کہا: اگر آپ (امام) بھی ہوں؟ تو فرمایا: اگرچہ میں بھی (امام) ہوں۔ انہوں نے کہا: اگر آپ قرأت بالجہر کر رہے ہوں؟ تو فرمایا: اگر میں قرأت بالجہر کر رہا ہوں (تو بھی پڑھ) (المستدرك على الصحيحين:۱/۲۳۹ح ۸۷۳)

اسے امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح کہا، امام دارقطنی فرماتے ہیں: ''هذا إسناد صحيح'' یہ سند صحیح ہے۔ (سنن دارقطنی: ۳۱۷/۱ ح ۱۱۹۸) اس کے سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں۔ قرآن وحدیث میں ایسی ایک دلیل بھی نہیں ہے، جس میں صاف اور صریح طور پر مقتدی کو فاتحہ خلف الامام سے منع کیا گیا ہو۔ تقلیدیوں کے مستند عالم مولوی عبدالحیٔ لکھنوی صاحب صاف صاف اعلان کرتے ہیں کہ:

'' لم يرد في حديث مرفوع صحيح النهي عن قرأة الفاتحة خلف الإمام وكل ماذكروه مرفوعاً فيه إما لاأصل له وإما لايصح ''

کسی مرفوع صحیح حدیث سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں ہے اور جو بھی (وہ) مرفوع احادیث ذکر کرتے ہیں یا تو وہ صحیح نہیں یا اس کی کوئی اصل ہی نہیں۔ (التعلیق الممجد: ص ۱۰۱)

اور کسی صحابی سے بھی فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں ہے۔ امام ابن عبدالبر نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ جس شخص نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی اس کی نماز مکمل ہے اور اسے دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ السبکی: ج ۱ ص ۱۳۸) امام ابن حبان نے بھی اسی اجماع کی گواہی دی ہے۔ (المجروحین: ج ۲ ص ۱۳) ۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ: صحابہ کرام کی ایک جماعت سری اور جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کی فرضیت کی قائل ہے۔ یہی قول عمر عثمان، علی، ابن عباس، معاذ اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے۔ (شرح السنۃ: ۸۴/۳، ۸۵ ح ۶۰۷)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''والعمل على هذا الحديث في القرأة خلف الإمام عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين و هو قول مالك بن أنس وابن المبارك و الشافعي وأحمد و إسحاق يرون القرأة خلف الإمام''

اس حدیث پر امام کے پیچھے قرأت کرنے میں اکثر صحابہ اور تابعین کا عمل ہے اور یہی قول امام مالک، امام ابن المبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اور امام اسحاق بن راہویہ کا ہے۔ یہ قرأت (فاتحہ) خلف الامام کے قائل ہیں۔ (جامع ترمذی: ۷۰/۱، ۷۱ ح ۳۱۱)

(۱۳) آمین بالجہر: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قرأ ﴿ولا الضالين﴾ قال: آمين و رفع بها صوته ''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ﴿ولا الضالین﴾ پڑھتے، تو فرماتے: آمین اور اس کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد: ۱۴۲/۱ ح ۹۳۲)

ایک روایت میں ہے: ''فجهر بآمين'' پس آپ ﷺ نے آمین بالجہر کہی (ایضاً) حدیث (يرفع صوته بآمين) کے بارے میں امام دارقطنی نے کہا: ''صحيح'' (سنن دارقطنی: ۱/ ۳۳۴ ح ۱۲۵۳، ۱۲۵۴) ابن حجر نے کہا: وسندہ صحیح (التلخیص الحبیر: ۱/ ۲۳۶ ح ۳۵۳) ابن حبان اور ابن قیم وغیرہما نے بھی صحیح کہا۔ کسی قابل اعتماد امام نے اسے ضعیف نہیں کہا ہے۔ اس مفہوم کی دیگر صحیح روایات سیدنا علی، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما وغیرہما سے بھی مروی ہیں جنہیں راقم الحروف نے ''القول المتين في الجهر بالتأمين'' میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

عطاء بن ابی رباح روایت کرتے ہیں کہ: ''أمن ابن الزبير ومن ورائه حتى إن للمسجد للجة'' ابن زبیر (رضی اللہ عنہما) اور ان کے مقتدیوں نے اتنی بلند آواز سے آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی۔

(صحیح بخاری: ۱/ ۱۰۷ ح قبل ۷۸۰ مصنف عبدالرزاق: ۲۶۴۰)

اس کی سند بالکل صحیح ہے (دیکھئے کتب رجال اور کتب اصول الحدیث) ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھی بھی امام کے پیچھے آمین کہتے اور اسے سنت قرار دیتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۱/ ۲۸۷ ح ۵۷۲) کسی ایک صحابی سے بھی باسند صحیح (خفیہ) بالسر آمین قطعاً ثابت نہیں ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہودی (آج کل) اپنے دین سے اکتا چکے ہیں اور وہ حاسد لوگ ہیں۔ وہ جن اعمال پر مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں ان میں سے افضل ترین یہ ہیں: سلام کا جواب دینا، صفوں کو قائم کرنا، اور مسلمانوں کا فرض نماز میں امام کے پیچھے آمین کہنا۔ (مجمع الزوائد: ج ۲ ص ۱۱۳ وقال: اسنادہ حسن، الاوسط للطبرانی: ۵/ ۳۴۷ ح ۷۹۰۴ والقول المتین: ص ۴۷، ۴۸)

(۱۴) رفع یدین: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرنا متعدد صحابہ نے روایت کیا ہے، مثلاً ابن عمر (صحیح البخاری: ج ۱ ص ۱۰۲ ح ۷۳۵ وصحیح مسلم: ج ۱ ص ۱۶۸ ح ۳۹۰) مالک بن الحویرث (صحیح البخاری: ج ۱ ص ۱۰۲ ح ۷۳۷ وصحیح مسلم: ج ۱ ص ۱۶۸ ح ۳۹۱) وائل بن حجر (صحیح مسلم: ج ۱ ص ۱۷۳ ح ۴۰۱) ابو حمید الساعدی، ابو قتادہ، سھل بن سعد الساعدی، ابو اسید، محمد بن مسلمہ (ابوداود: ۷۳۰، ۷۳۴، وھو حدیث صحیح) علی بن ابی طالب (صحیح ابن خزیمہ: ح ۵۸۴) ابو بکر الصدیق، عبداللہ بن الزبیر (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/ ۷۳ وسندہ صحیح) ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہم اجمعین (سنن دارقطنی: ج ۱ ص ۲۹۲، وسندہ صحیح) وغیرہم۔ متعدد اماموں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ رفع یدین قبل الرکوع وبعدہ متواتر ہے۔ مثلاً ابن جوزی، ابن حزم، العراقی، ابن تیمیہ، ابن قدامہ ابن حجر، الکتانی، السیوطی، الزبیدی اور زکریا الانصاری وغیرہم۔ دیکھئے (نور العینین فی مسئلہ رفع یدین: ص ۸۹، ۹۰)

انور شاہ کاشمیری دیوبندی فرماتے ہیں:

''وليعلم أن الرفع متواتر إسناداً وعملاً لايشك فيه ولم ينسخ ولاحرف منه'' الخ

اور یہ جاننا چاہیے کہ رفع یدین بلحاظ سند اور عمل دونوں طرح متواتر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور رفع یدین بالکل

منسوخ نہیں ہوا بلکہ اس کا ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہوا۔ (نیل الفرقدین: ص ۲۴ فیض الباری: ج ۲ ص ۴۵۵ حاشیہ)

" وعن ابن عمر أن رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه حذو منکبیه إذا افتتح الصلوة و إذا کبر للرکوع و إذا رفع رأسه من الرکوع رفعهما کذلك وقال: سمع اللّٰه لمن حمده، ربنا لك الحمد وکان لا یفعل ذلك في السجود "

سیدنا ابن عمر (رضی اللہ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں کندھوں تک اٹھاتے۔ اسی طرح جب رکوع کی تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے اور سمع الله لمن حمده، ربنا لك الحمد کہتے اور سجدوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱/۱۰۲ ح ۷۳۵، صحیح مسلم ۱/۱۶۸ ح ۳۹۰)

اس حدیث کے راوی ابن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے (صحیح بخاری: ۱/۱۰۲ ح ۷۳۹) بلکہ جسے دیکھتے کہ رفع یدین نہیں کرتا تو اسے کنکریوں سے مارتے تھے (جزء رفع الیدین للبخاری: ۵۳ وصححہ النووی فی المجموع شرح المہذب: ج ۳ ص ۴۰۵) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے رفع یدین کا ترک باسند صحیح قطعاً ثابت نہیں ہے، تارکین رفع یدین۔ ابوبکر بن عیاش کی عن حصین، عن مجاہد جو روایت پیش کرتے ہیں اس کے بارے میں محدثین کے امام یحیی بن معین فرماتے ہیں: ''یہ وہم ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔'' (جزء رفع الیدین للبخاری: ۱۶)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

" رواه أبو بکر بن عیاش عن حصین عن مجاهد عن ابن عمر وهو باطل "

یعنی: ابوبکر بن عیاش والی روایت باطل ہے۔ (مسائل احمد، روایۃ ابن ھانی: ج ۱ ص ۵۰)

ابوقلابہ تابعی فرماتے ہیں کہ:

" أنه رأی مالك بن الحویرث إذا صلی کبّر ورفع یدیه وإذا أراد أن یرکع رفع یدیه و إذا رفع رأسه من الرکوع رفع یدیه وحدّث أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صنع هکذا "

سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۱/۱۰۲ ح ۷۳۷، صحیح مسلم: ۱/۱۶۸ ح ۳۹۱)

سیدنا مالک رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ: نماز اس طرح پڑھو جیسے مجھے دیکھا ہے۔ دیکھئے صحیح البخاری (ح ۶۳۱) ۔ آپ جلسہ استراحت بھی کرتے تھے اور اسے مرفوعاً بیان کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱/۱۱۳

۱۱۴ح ۸۲۳،۶۷۷)۔ یہ جلسہ حنفیوں کے نزدیک آپ کی حالتِ کبر پر محمول ہے۔یعنی جب آپ ﷺ آخری دور میں بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے تو یہ جلسہ کرتے تھے۔(ہدایہ ج اص ۱۱۰، حاشیہ السندھی علی النسائی ج اص ۱۴۰)
آپ رفع یدین کے راوی ہیں لہذا ثابت ہوا کہ حنفیوں کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری عمر میں بھی رفع یدین کرتے تھے۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''فلما أراد أن یرکع أخرج یدیه من الثوب ثم رفعهما ثم کبر فرکع فلما قال: سمع اللّٰه لمن حمده رفع یدیه''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رکوع کا ارادہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ کپڑے سے نکالے اور رفع یدین کیا پھر تکبیر کہی اور رکوع کیا۔ جب **سمع الله لمن حمده** کہا تو رفع یدین کیا۔الخ (صحیح مسلم: ۱۷۳/۱ح ۴۰۱)

سیدنا وائل رضی اللہ عنہ یمن کے عظیم بادشاہ تھے (الثقات لابن حبان: ج ۳ص ۴۲۴)۔آپ نو (۹ھ) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد کی شکل میں تشریف لائے تھے۔(البدایہ والنہایہ: ۷۱/۵،عمدۃ القاری للعینی: ۲۷۴/۵) آپ اگلے سال دس (۱۰ھ) کو بھی مدینہ منورہ آئے تھے (صحیح ابن حبان: ۱۶۷/۳، ۱۶۸ح ۱۸۵۷) اس سال بھی آپ نے رفع یدین کا مشاہدہ کیا تھا (سنن ابی داؤد: ح ۷۲۷) لہذا آپ کی بیان کردہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور کی نماز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی صحابی سے رفع یدین عندالرکوع وبعدہ کا ترک یا نسخ یا ممانعت قطعاً ثابت نہیں ہے۔

سنن ترمذی (ج: اص ۵۹ ح ۲۵۷) میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت منسوب ہے، اس میں سفیان ثوری مدلس ہیں (الجوہر النقی لابن الترکمانی الحنفی: ج ۸ص ۲۶۲) مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔(مقدمہ ابن الصلاح: ص ۹۹ الکفایہ: ص ۳۶۴) دوسرا یہ کہ بیس سے زیادہ اماموں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، لہذا یہ سند ضعیف ہے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منسوب روایتِ ترک میں یزید بن ابی زیاد الکوفی ضعیف ہے (تقریب التہذیب: ۷۷۱۷) مسند حمیدی اور مسند ابی عوانہ میں یار لوگوں نے تحریف کی ہے۔اصلی قلمی نسخوں میں رفع یدین کا اثبات ہے، جسے بعض مفاد پرستوں نے تحریف کرتے ہوئے نفی بنا دیا ہے، جو تحقیق کرنا چاہے وہ ہمارے پاس آ کر اصلی قلمی نسخوں کی فوٹو سٹیٹس دیکھ سکتا ہے۔بعض لوگوں نے ترک رفع یدین پر وہ روایات بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے جن میں رفع یدین کے کرنے یا نہ کرنے کا ذکر تک نہیں ہے، حالانکہ عدم ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔(الدرایہ لابن حجر: ص ۲۲۵)

جو شخص نماز میں رفع یدین کرتا ہے اسے ہر انگلی کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے۔یعنی ایک رفع یدین پر دس نیکیاں (**المعجم الکبیر للطبرانی** ج ۷اص ۲۹۷، مجمع الزوائد: ج ۲ص ۱۰۳ وقال: واسنادہ حسن)۔عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد پر رفع یدین کرنا بالکل صحیح ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے ہر تکبیر کے ساتھ رفع

یدین کرتے تھے۔ (ابوداؤد: ح۷۲۲، مسند احمد: ۱۳۳/۲، ۱۳۴ ح۶۱۷۵، منتقی ابن الجارود: ص۶۹ ح۱۷۸)۔
اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے، بعض لوگوں کا عصرِ حاضر میں اس حدیث پر جرح کرنا مردود ہے۔ امام بیہقی اور امام ابن المنذر نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ تکبیراتِ عیدین میں بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔ دیکھئے التلخیص الحبیر (ج ۱ ص ۸۶ ح ۶۹۲) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۲۹۲/۳، ۲۹۳) والاوسط لابن المنذر (۲۸۲/۴)
عیدالفطر والی تکبیرات کے بارے میں عطاء بن ابی رباح (تابعی) فرماتے ہیں کہ:
'' **نعم ويرفع الناس أيضاً** '' جی ہاں ان تکبیرات میں رفع یدین کرنا چاہئے، اور (تمام) لوگوں کو بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۹۶/۳ ح ۵۶۹۹، وسندہ صحیح)
امام اہلِ الشام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: '' **نعم ارفع يديك مع كلهن** ''
جی ہاں، ان ساری تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرو۔ (احکام العیدین للفریابی: ح ۱۳۶، وسندہ صحیح)
امام دارالھجرۃ مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' **نعم، إرفع يديك مع كل تكبيرة ولم أسمع فيه شيئاً** ''

جی ہاں، ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرو اور میں نے اس (کے خلاف) کوئی چیز نہیں سنی۔ (احکام العیدین: ح ۱۳۷، وسندہ صحیح)
اس صحیح قول کے خلاف مالکیوں کی غیر مستند کتاب ''مدونہ'' میں ایک بے سند قول مذکور ہے (ج ۱ ص ۱۵۵) یہ بے سند حوالہ مردود ہے، ''مدونہ'' کے رد کے لئے دیکھئے میری کتاب القول المتین فی الجہر بالتأمین (ص ۷۳)
اسی طرح امام نووی کا حوالہ بھی بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ (دیکھئے المجموع شرح المھذب: ج ۵ ص ۲۶)
امام اہلِ مکہ شافعی رحمہ اللہ بھی تکبیراتِ عیدین میں رفع یدین کے قائل تھے، دیکھئے کتاب الأم (ج ۱ ص ۲۳۷)
امام اہلِ سنت احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ:

'' **يرفع يديه في كل تكبيرة** '' (عیدین کی) ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا چاہئے۔
(مسائل احمد روایۃ ابی داود ص: ۶۰ باب التکبیر فی صلوۃ العید)

ان تمام آثار سلف کے مقابلے میں محمد بن الحسن الشیبانی نے لکھا ہے کہ:

'' **ولا يرفع يديه** '' اور (عیدین کی تکبیرات میں) رفع یدین نہ کیا جائے۔

(کتاب الاصل: ج ۱ ص ۳۷۴، ۳۷۵ والاوسط لابن المنذر: ج ۴ ص ۲۸۲)

یہ قول دو وجہ سے مردود ہے:
۱: محمد بن الحسن الشیبانی کذاب ہے۔ (دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی: ج ۴ ص ۵۲، وسندہ صحیح، وجزء رفع الیدین للبخاری بتحقیقی: ص ۳۲) اس کی توثیق کسی معتبر محدث سے، صراحتاً باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ میں نے اس موضوع پر ایک رسالہ

''النصر الربانی'' لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ شیبانی مذکور کذاب وساقط العدالت ہے، والحمدللہ

۲: اس کذابِ مذکور کا قول سلف صالحین کے اجماع واتفاق کے خلاف ہونے کی وجہ سے بھی مردود ہے۔

جنازہ میں ہر تکبیر پر رفع یدین سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔

(جزء رفع الیدین للبخاری: ح ۱۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۸/۳ ح ۱۱۳۸۸ واسنادہ صحیح)

مکحول تابعی جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری: ح ۱۱۶، وسندہ حسن)

امام زہری جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری: ۱۱۸، وسندہ صحیح)

قیس بن ابی حازم (تابعی) جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (دیکھئے جزء رفع الیدین للبخاری: ۱۱۲، وسندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۶/۳ ح ۱۱۳۸۵) نافع بن جبیر جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین: ۱۱۴ وسندہ حسن) حسن بصری جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین: ۱۲۲، وسندہ صحیح)

درج ذیل علماء سلف صالحین بھی جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کے قائل وفاعل تھے۔

عطاء بن ابی رباح (مصنف عبدالرزاق: ۴۶۸/۳ ح ۶۳۵۸، وسندہ قوی) عبدالرزاق (مصنف: ح ۶۳۴۷)

محمد بن سیرین (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۷/۳ ح ۱۱۳۸۹، وسندہ صحیح)

ان تمام آثار سلف صالحین کے مقابلے میں ابراہیم نخعی (تابعی) جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین نہیں کرتے تھے

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۳ ص ۲۹۶ ح ۱۱۳۸۶، وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ جمہور سلف صالحین کا یہ مسلک ہے کہ جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا جائے، جیسا کہ باحوالہ گزر چکا ہے اور یہی مسلک راجح وصواب ہے، والحمدللہ

(۱۵) سجدہ سہو: سجدہ سہو سلام سے پہلے بھی جائز ہے (صحیح بخاری: ۱۶۳/۱ ح ۱۲۲۴، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۱) اور سلام کے بعد بھی جائز ہے۔ (صحیح بخاری: ح ۱۲۲۶ وصحیح مسلم: ح ۵۷۴) سجدہ سہو میں صرف ایک طرف سلام پھیرنے کا کوئی ثبوت احادیث میں نہیں ہے۔

(۱۶) اجتماعی دُعا: دُعا کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" الدعاء هو العبادة" دُعا ہی عبادت ہے۔

(ترمذی: ۱۶۰/۲، ۱۷۵ ح ۲۹۶۹، ۳۲۴۷، ۳۳۷۲، ابوداؤد: ۲۱۵/۱ ح ۱۴۷۹، وقال الترمذی: **"هذا حديث حسن صحيح"**)

نماز کے بعد متعدد دعائیں ثابت ہیں۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۹۳۷/۲ ح ۶۳۲۹، ۶۳۳۰) ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز کے آخر والی دعا کو زیادہ مقبول قرار دیا ہے۔ (ترمذی: ۱۸۷/۲ ح ۳۴۹۹

وسندہ ضعیف)مطلق دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا متواتر احادیث سے ثابت ہے۔(نظم المتناثر من الحدیث المتواتر: ص١٩٠، ١٩١)فرض نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا التزاماً یا لزوماً اجتماعی دعا کرنا ثابت نہیں ہے۔(دیکھئے فتاوی ابن تیمیہ ج اص١٨٤، بذل المجھود: ج٣ص١٣٨، قد قامت الصلوۃ: ص٤٠٥)

(١٧) نماز فجر(صبح) کی دو سنتیں: صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' إذا أقيمت الصلوة فلا صلوة إلا المكتوبة ''

جب نماز کی اقامت ہو جائے تو(اس)فرض نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی۔(١/٢٤٧ح٦٣/٧١٠)

قیس بن قہد رضی اللہ عنہ آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔انہوں نے آپ کے ساتھ یہ نماز پڑھی۔جب آپ نے سلام پھیرا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور صبح کی دو رکعتیں (سنتیں)پڑھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔آپ نے ان سے پوچھا: ''ماهاتان الركعتان'' ؟ یہ دو رکعتیں کیا ہیں؟

انہوں نے کہا: میری (یہ) دو رکعتیں صبح سے پہلے والی رہ گئی تھیں،تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور کچھ نہیں کہا۔(صحیح ابن خزیمہ:٢/١٦٤ح١١١٦، صحیح ابن حبان:٤/٨٢ح٢٤٦٢)امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے(المستدرک: ج اص٢٧٤)اس سلسلہ میں سورج نکلنے کے بعد نماز پڑھنے والی جو روایت (سنن ترمذی:٤٢٣ میں) ہے اس میں قتادہ راوی مدلس ہے،اور عن سے روایت کر رہا ہے۔لہذا وہ روایت مشکوک اور ضعیف ہے۔

(١٨) جمع بین الصلا تین: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ظہر وعصر کی دونوں نمازیں اکٹھی کر کے پڑھیں۔اسی طرح مغرب وعشاء کی بھی اکٹھی پڑھی ہیں(صحیح مسلم :١/٢٤٥ح٤٦/٧٠٤)۔متعدد صحابہ جمع بین الصلا تین فی السفر کے قائل و فاعل تھے۔مثلاً ابن عباس،انس بن مالک،سعد،ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ: ج٢ص٤٥٢، ٤٥٧)نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے شارح اعظم ومبین اعظم تھے۔لہذا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کا فعل قرآن پاک کے خلاف ہو۔لہذا سفر میں جمع بین الصلا تین کو قرآن مجید کے مخالف سمجھنا غلط ہے۔عذر کے بغیر نمازیں جمع کرنا ثابت نہیں ہے۔سفر،بارش،انتہائی شدید شرعی عذر کی بنیاد پر جمع کرنا جائز ہے۔(**كما ثبت في صحيح مسلم**)جمع تقدیم وجمع تاخیر مثلاً ظہر کے وقت عصر کی نماز بھی پڑھ لینا یا پھر عصر کے وقت ظہر کی نماز پڑھنا دونوں طرح جائز ہے۔(مشکوۃ، بتحقیقی:١٣٤٤،ابوداود:١/١٧٩ح١٢٢٠،ترمذی:١/١٢٤ح٥٥٣ وصححہ ابن حبان:١٥٩١)سفر میں جمع بین الصلا تین کی روایات صحیح بخاری(١/١٤٩ح١١٠٨تا١١١٢)میں بھی موجود ہیں۔ابن عمر رضی اللہ عنہما بارش میں دو نمازیں اکھٹی پڑھتے تھے(مؤطا امام مالک:١/١٤٥ح٣٢٩، وسندہ صحیح)

(١٩) نماز وتر: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک رکعت وتر کا ثبوت قولاً اور فعلاً دونوں طرح متعدد احادیث سے

ثابت ہے۔مثلاً دیکھئے (صحیح بخاری:۱۳۵/۱ح ۹۹۰قول، ۱۳۵/۱، ۱۳۶ح ۹۹۵فعل، صحیح مسلم:۲۵۷/۱ح ۱۴۶/۷۴۹ قول۔۲۵۷/۱ح ۱۵۷/۷۴۹فعل) آپ ﷺ نے فرمایا:

"الوتر حق على كل مسلم فمن أحب أن يوتر بخمس فليفعل ومن أحب أن يوتر بثلاث فليفعل ومن أحب أن يوتر بواحدة فليفعل"

وتر ہر مسلمان پر حق ہے۔پس جس کی مرضی ہو پانچ وتر پڑھے اور جس کی مرضی ہو تین وتر پڑھے اور جس کی مرضی ہو ایک وتر پڑھے۔ (سنن ابی داوٗد: ۲۰۸/۱ح ۱۴۲۲ ، سنن نسائی مع التعلیقات السلفیة: ۲۰۲/۱ح ۱۷۱۳)

اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے (الاحسان: ج۴ص۶۳ ح ۲۴۰۳) اور امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔(المستدرک: ج۱ص۳۰۲) تین رکعات وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھے اور سلام پھیر دے پھر ایک وتر پڑھے (صحیح مسلم: ۲۵۴/۱ح ۱۲۲/۷۳۶، ۱۲۳/۷۳۷، صحیح ابن حبان: ج۴ص۷۰ح ۲۴۲۶، مسند احمد: ج۲ص۷۶ح ۲۴۲۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ج۱ص۴۲۲ واسنادہ صحیح)

تین وتر، نماز مغرب کی طرح پڑھنا ممنوع ہیں۔(صحیح ابن حبان: ج۴ص۶۸، المستدرک: ج۱ص۳۰۴، اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے)۔لہذا ایک سلام اور دو تشہدوں سے تین وتر اکٹھے پڑھنا ممنوع ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک سلام سے تین وتر پڑھنا چاہتا ہے جیسا کہ بعض آثار سے ثابت ہے تو اسے چاہئے کہ دوسری رکعت میں تشہد کے لئے نہ بیٹھے بلکہ تین وتر ایک تشہد ہی سے پڑھے۔

(۲۰) نماز قصر: صحیح مسلم (۲۴۲/۱ح ۱۲/۶۹۱) میں یحیی بن یزید الھنائی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

"سألت أنس بن مالك عن قصر الصلوة فقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذاخرج ميسرة ثلاثة أميال أو ثلاثة فراسخ– شعبة الشاك– صلى ركعتين"

میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین (۳) میل یا تین فرسخ (نو میل) سفر کے لئے نکلتے۔شعبہ کو شک ہے (تین یا نو کے بارے میں) تو آپ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما تین (۳) میل پر بھی قصر کے جواز کے قائل تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ: ج۲ص۴۴۳ ح ۸۱۲۰) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل تھے (فقہ عمر اردو ص۳۹۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۴۵/۲ ح ۸۱۳۷)۔احتیاط بھی اسی میں ہے کہ کم از کم نو (۹) میل پر قصر کیا جائے، اس طرح تمام احادیث پر عمل باآسانی ہو جاتا ہے۔

(۲۱) قیام رمضان (تراویح): صحیح بخاری (۲۶۹/۱ ح ۲۰۱۳) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے

روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات (۱۱) سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔
اس حدیث کی روشنی میں جناب انور شاہ کاشمیری دیوبندی فرماتے ہیں:

''ولا مناص من تسليم أن تراويحه عليه السلام كانت ثمانية ركعات''
اس بات کے تسلیم کرنے سے کوئی چھٹکارا نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح آٹھ رکعات تھی۔
(العرف الشذی: ج ۱ ص ۱٦٦)

اور مزید فرماتے ہیں:

''وأما النبي صلى الله عليه وسلم فصح عنه ثمان ركعات و أما عشرون ركعة فهو عنه عليه السلام بسند ضعيف و على ضعفه اتفاق''
اور مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ (۸) رکعتیں صحیح ثابت ہیں، اور بیس (۲۰) رکعات والی جو حدیث آپ سے مروی ہے تو وہ ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ (ایضاً: ص ۱٦٦)
امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے حکم دیا: "أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة" کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ (موطا امام مالک: ص ۹۸ و نسخہ اخری ۱/۱۱۵ ح ۲۴۹)

اسے امام ضیاء المقدسی نے صحیح قرار دیا ہے۔ محمد بن علی النیموی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: وإسناده صحيح اور اس کی سند صحیح ہے (آثار السنن: ح ۷۷٦) لہٰذا بعض متعصب فرقہ پرستوں کا پندرھویں صدی میں اسے مضطرب وغیرہ کہنا باطل اور بے بنیاد ہے۔ اس حکم پر ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما نے عمل کر کے دکھایا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲ ص ۳۹۱، ۳۹۲ ح ۷٦۷۰) صحابہ رضی اللہ عنہم بھی گیارہ (رکعت) ہی پڑھتے تھے۔ (سنن سعید بن منصور، بحوالہ الحاوی للسیوطی: ص ۳۴۹ ج ۲) اس عمل کی سند کو حافظ سیوطی ''بسند فی غاية الصحة'' بہت زیادہ صحیح سند کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ عمر رضی اللہ عنہ سے بلحاظِ حکم و بلحاظ فعل، بیس (۲۰) رکعات باسند صحیح قطعاً ثابت نہیں ہیں۔

(۲۲) تکبیرات عیدین:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''التكبير في الفطر سبع في الأولىٰ وخمس في الآخرة والقراءة بعد هما كلتيهما''
عید الفطر کے دن پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں۔ اور دونوں رکعتوں میں قرأت ان تکبیروں کے بعد ہے۔ (ابوداؤد: ۱/۱۷۰ ح ۱۱۵۱)

اس حدیث کے بارے میں امام بخاری نے کہا: ''هو صحيح'' (العلل الکبیر للترمذی: ج ۱ ص ۲۸۸)
اسے امام احمد بن حنبل اور امام علی بن المدینی نے بھی صحیح کہا ہے۔ (التلخیص الحبیر: ۲/۸۴) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے حجت ہونے پر میں نے مسند الحمیدی کی تخریج میں تفصیلی بحث لکھی ہے۔ اس روایت کے دیگر شواہد کے لیے ارواء

الغلیل (۱۰۶/۳ تا ۱۱۳) وغیرہ دیکھیں۔ نافع فرماتے ہیں: کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے عیدالاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز پڑھی۔ انہوں نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ (موطا امام مالک: ۱/۱۸۰ ح ۴۳۵) اس کی سند بالکل صحیح اور بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔

شعیب بن ابی حمزہ عن نافع کی روایت میں ہے۔ ''وھی السنة'' (السنن الکبریٰ: ج۳ ص ۲۸۸) اور یہ سنت ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ: ہمارے ہاں یعنی مدینہ میں اسی پر عمل ہے (موطا: ۱/۱۸۰) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی عیدین کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی: ۴/۳۴۵)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ: ج۲ ص ۱۷۳ ح ۵۷۰۱)۔ ابن جریج کے سماع کی تصریح احکام العیدین للفریابی (ص ۱۷۶ ح ۱۲۸) میں موجود ہے، اس کے دیگر صحیح شواہد کے لیے ارواء الغلیل (ج ۳ ص ۱۱۱) وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن عبدالعزیز بھی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج۲ ص ۱۷۶ ح ، احکام العیدین: ص ۱۷۱، ۱۷۲ ح ۱۱۷)

اس کی سند صحیح ہے۔ (سواطع القمرین ص ۱۷۲)۔ باب رفع یدین (۱۴) کے تحت یہ باسند حسن گزر چکا ہے کہ جو شخص رفع یدین کرتا ہے اسے ہر انگلی کے بدلے میں ایک نیکی ملتی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے ہر تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے (ابوداود: ۱/۱۱۱ ح ۷۲۲، مسند احمد: ۲/۱۳۴ ح ۶۱۷۵) اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (ارواء الغلیل: ج۳ ص ۱۱۳) امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے تکبیرات عیدین میں رفع یدین کے مسئلے پر اس حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ (التلخیص الحبیر: ج۲ ص ۸۶) اور یہ استدلال صحیح ہے، کیونکہ عموم سے استدلال کرنا بالاتفاق صحیح ہے۔ جو شخص رفع یدین کا منکر ہے وہ اس عام دلیل کے مقابلے میں خاص دلیل پیش کرے۔ یاد رہے کہ تکبیرات عیدین میں عدم رفع یدین والی ایک دلیل بھی پورے ذخیرہ حدیث میں نہیں ہے۔

(۲۳) نماز جمعہ: جمعہ کا فرض ہونا متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''صلاة السفر ركعتان ، وصلاة الجمعة ركعتان ، والفطر والأضحى ركعتان تمام غير قصر ، على لسان محمد صلى الله عليه وسلم ''

نماز سفر دو رکعتیں ہیں اور نماز جمعہ دو رکعتیں ہیں۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی (بھی) دو رکعتیں ہیں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر پوری ہیں قصر نہیں ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ص ۷۴ ح ۱۰۶۴)

قرآن پاک کی آیت مبارکہ:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ـ ـ ﴾ الخ (سورہ جمعہ: ۹)

سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن پر جمعہ فرض ہے، چاہے وہ شہری ہو یا دیہاتی۔ طارق بن شہاب صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" الجمعةحق واجب على كل مسلم في جماعة إلا أربعة: عبد مملوك أو امرأة أو صبي أو مريض"

ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ پڑھنا فرض ہے، سوائے چار کے، ۱: غلام، ۲: عورت، ۳: (نابالغ) بچہ، ۴: مریض۔ (سنن ابی داؤد: ۱/۱۶۰ ح ۱۰۶۷)

اس کی سند صحیح ہے۔ طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بلحاظِ رؤیت صحابی ہیں۔ چونکہ اس حدیث پاک اور دوسری احادیث میں دیہاتی کو جمعہ سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا، لہذا ثابت ہوا کہ دیہاتی پر جمعہ فرض ہے۔ مزید تحقیق کے لئے صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث کا مطالعہ کریں۔ خلیفہ راشد عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں حکم دیا تھا کہ:

"جمعوا حيث ماكنتم "(اے لوگو!) تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو۔ (فقہ عمر: ص ۴۵۵ مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۱۰۱ ح ۵۰۶۸)

حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں (ہدایہ: ج ۱ ص ۱۶۷) انہوں نے اس سلسلہ میں متعدد شرطیں بھی بنا رکھی ہیں۔ ان کے متعدد مولویوں نے دیہات میں جمعہ کے صحیح نہ ہونے پر کتابیں بھی لکھی ہیں، مگر ان تمام فقہی تحقیقات کے برعکس اب حنفی عوام اس مسئلہ میں حنفی مذہب کو ترک کر کے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھ رہے ہیں، اللهم زد فزد۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب حنفی عوام بعض مسائل میں ''تقلید'' صرف برائے نام ہی کرتے ہیں۔

(۲۴) نماز جنازہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک جنازہ پر سورہ فاتحہ (اور ایک سورت پکار کر) پڑھی اور پوچھنے پر فرمایا: '' (میں نے اس لیے بالجہر پڑھی ہے کہ) تم جان لو کہ یہ سنت (اور حق) ہے۔''

(صحیح بخاری: ۱/۱۷۸ ح ۱۳۳۵، سنن نسائی: ۱/۲۸۱ ح ۱۹۸۹، منتقی ابن الجارود: ص ۱۸۸ ح ۵۳۴، ۵۳۶، پہلی بریکٹ کے الفاظ نسائی کے ہیں، دوسری بریکٹ کے الفاظ منتقی کے ہیں۔ آخری کے الفاظ نسائی وابن الجارود کے ہیں)

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''السنة في الصلوة على الجنازة أن يقرأ في التكبيرة الأولىٰ بأم القرآن مخافتةً ثم يكبر ثلثاً و التسليم عند الآخرة''

نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر اولیٰ میں سورہ فاتحہ خفیہ پڑھی جائے، پھر تین تکبیریں کہی جائیں اور آخری تکبیر پر سلام پھیر دیا جائے۔ (سنن نسائی: ج ۱ ص ۲۸۱ ح ۱۹۹۱)

آپ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے:

" السنة في الصلاةعلى الجنازة أن تكبر ثم تقرأ بأم القرآن ثم تصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم تخلص الدعاء للميت ولا تقرأ إلا في التكبيرة الأولىٰ ثم تسلم في

نفسه عن يمينه ''

نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تم تکبیر کہو پھر سورہ فاتحہ پڑھو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔ پھر خاص طور پر میت کے لیے دعا کرو، قرأت صرف پہلی تکبیر میں کرو پھر اپنے دل میں (یعنی سراً) دائیں طرف سلام پھیر دو۔

(منتقی ابن الجارود: ص۱۸۹ ح ۵۴۰، مصنف عبدالرزاق: ۳/ ۴۸۸، ۴۸۹ ح ۶۴۲۸)

اس کی سند صحیح ہے (ارواء الغلیل: ج ۳ ص ۱۸۱)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر جنازہ ہو جاتا ہے یا انہوں نے سورہ فاتحہ کے بغیر جنازہ پڑھا ہو۔ نماز جنازہ میں وہی درود پڑھنا چاہیے جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (یعنی نماز والا) ''رحمت وترحمت'' والا۔ خود ساختہ درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

(۲۶) دعوت: حسبِ استطاعت قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنا اور پھر اسے آگے پہنچانا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ امام کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" **بلغوا عني ولو آية** " مجھ سے دین لے کر لوگوں تک پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔ (صحیح بخاری: ۱/ ۴۹۱ ح ۳۴۶۱)

دعوت صرف قرآن اور صحیح احادیث کی دینی چاہیے۔ اپنے فرقہ وارانہ مذہب اور قصے کہانیوں کی دعوت دینا حرام ہے۔ داعی کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ہر بات پر دلیل بھی پیش کرے تا کہ جو زندہ رہے دلیل دیکھ کر زندہ رہے اور جو مرے دلیل دیکھ کر مرے۔ ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ (الانفال: ۴۲)

(۲۷) جہاد: دعوت دین کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ میں صحیح العقیدہ لوگوں کی ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو نیکی کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں اور جو لوگ اس راستہ میں رکاوٹ بنیں ان سے زبانی، قلمی اور جسمانی جہاد کریں۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قتال فی سبیل اللہ سے بالکل دریغ نہ کریں تا کہ ساری دنیا میں کتاب وسنت کا پرچم سر بلند ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف**''

اور جان لو کہ بے شک جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ (صحیح بخاری: ۱/ ۴۲۵ ح ۳۰۲۵، صحیح مسلم: ۲/ ۸۴ ح ۲۰/ ۱۷۴۲)

تنبیہ: اس جماعت سے مراد اہلِ ایمان کا گروہ ہے، موجودہ کاغذی اور نظام امارت ورکنیت والی جماعتیں مراد نہیں ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے شیخ الاسلام المجاہد عبداللہ بن المبارک المروزی کی ''کتاب الجھاد'' وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارا خاتمہ قرآن، حدیث، صحابہ، تابعین، محدثین اور ائمہ مسلمین کی محبت میں کرے اور دنیا و آخرت دونوں میں ہمیں ہر قسم کی رسوائی سے بچائے۔ آمین ثم آمین وما علينا إلا البلاغ

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنا؟ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام؟ طارق جمیل صاحب کی روایتیں

فضیلۃ الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

اللہ سے دعا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے علم وعمل میں اضافہ فرمائے اور آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے۔(آمین) ماہنامہ شہادت میں ایک سوال کے جواب میں آپ نے لکھا کہ صف میں پیچھے رہ جانے والے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی لہذا اسے دوبارہ نماز پڑھ لینی چاہئے جبکہ اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے مبشر احمد ربانی صاحب نے لکھا کہ یہ اضطراری کیفیت ہے اس صورت میں اکیلے آدمی کی نماز ہو جائے گی اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ اگلی صف سے آدمی کو بھی نہ کھینچا جائے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو صف کو ملاتا ہے اللہ اسے ملاتا ہے اور جو صف کو توڑتا ہے اللہ اسے توڑتا ہے'' اس حدیث کی وجہ سے صف سے آدمی کو نہ کھینچا جائے اکیلے نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی، کیونکہ یہ اضطراری کیفیت ہے۔

آپ آگاہ فرمائیں کہ کیا جائے علماء کی دو قسم کی آراء ہیں طلباء اور عوام کس رائے پر عمل کریں۔ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب ارشاد فرمائیں؟

سوال۲: ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر کے پاس سے گزرے تو ایک عورت اشعار پڑھ رہی تھی کہ آج میرے خاوند جہاد پر گئے ہوئے ہیں اگر مجھے شریعت کا ڈر نہ ہوتا تو میرے بستر پر آج کوئی غیر مرد ہوتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو اپنی بیٹی کے پاس گئے اور جا کر پوچھا کہ اے میری بیٹی ایک عورت اپنے خاوند کے بغیر کتنا عرصہ گزار سکتی ہے تو انہوں نے کہا کہ دو ماہ یا زیادہ سے زیادہ چار ماہ۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں قانون بنا دیا کہ کوئی مرد مجاہد چار ماہ سے زائد گھر سے باہر نہ رہے بلکہ وہ چھٹی لے کر گھر آئے اور اپنے حقوق زوجیت ادا کرے۔

کیا یہ واقعہ صحیح اسناد سے ثابت ہے؟ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو پھر بہت سارے مجاہدین اور تبلیغی جماعت والے سال کیلئے یا دو سال کے لئے گھر سے نکل جاتے ہیں، وہ تو ان حقوق کو پورا نہیں کرتے۔ اس واقعہ کا حوالہ بھی دیں کہ یہ

کون سی کتاب میں ہے۔ یہ دونوں سوال ماہنامہ شہادت [1] کیلئے ہیں، تاکہ لوگ قرآن وسنت سے آگاہ ہو سکیں اور لوگوں کے اندر تحقیق کی جستجو پیدا ہو سکے۔ یہ سوال ماہنامہ شہادت میں ضرور بھیجئے گا کیونکہ یہ بہت اہم سوال ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اور مجھے قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

خرم ارشاد محمدی دولتنگر تحصیل وضلع گجرات (۲۰۰۴-۵-۱۰)

جواب : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ جوابات درج ذیل ہیں۔

۱: وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ان رسول الله ﷺ رأى رجلاً يصلي خلف الصف وحده فأمره أن يعيد ۔

بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی دیکھا (جو) صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا تھا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے (نماز) لوٹانے کا حکم دیا۔ (سنن ابی داود: ۶۸۲، الترمذی: ۲۳۰ وقال: ''حسن'' ابن ماجہ: ۱۰۰۴، وصححہ ابن حبان، الموارد: ۴۰۳ وللحدیث طرق عند ابن خزیمہ: ۱۵۶۹ وابن حبان: ۴۰۱ وغیرہما)

اس روایت کی سند صحیح ہے (نیل المقصود) شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا: ''صحیح'' (سنن ابی داود، تحقیق الشیخ الالبانی ص ۱۱۰)

۲: علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' فانه لا صلوة لرجل فرد خلف الصف '' بے شک صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی

(مسند احمد: ۲۳/۴ ح ۱۶۴۰۶ ، ابن ماجہ: ۱۰۰۳ وصححہ ابن خزیمہ: ۱۵۶۹ وابن حبان: ۴۰۱) اس روایت کی سند صحیح ہے (تسہیل الحاجہ ص ۶۸) بوصیری نے کہا: ''**هذا إسناد صحيح ، رجاله ثقات**'' (زوائد ابن ماجہ)

۳: حدیث وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ کے مطابق امام احمد اور امام اسحاق (بن راہویہ) فرماتے ہیں کہ صف کے پیچھے اکیلا آدمی (نماز پڑھنے والا) اپنی نماز دوبارہ پڑھے گا، اور یہی قول حماد بن ابی سلیمان (محمد) ابن ابی لیلیٰ (الفقیہ) اور وکیع کا ہے (الترمذی: ۲۳۰)

۴: ابن ابی شیبہ نے حفص (بن غیاث) سے عن عمرو بن مروان (ثقہ) عن ابراہیم (النخعی) کی سند سے نقل کیا ہے کہ: ''**یعید**'' یعنی نماز دہرائے گا۔ (۱۹۳/۲ ح ۵۸۸۸) حفص بن غیاث مدلس ہے لہذا یہ سند ضعیف ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کے برعکس روایات بھی ہیں جو بلحاظ تدلیس وغیرہ ضعیف ہیں۔

۵: ابن حزم کے نزدیک صف کے پیچھے اکیلے مقتدی کی نماز باطل ہے۔ (المحلی: ۵۲/۴ مسئلہ ۴۱۵)

۶: وابصہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے بعد عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ:

....

(۱) ماہنامہ ''شہادت'' کے ساتھ ساتھ، عام بھائیوں کے فائدے کے لئے یہ جواب ''الحدیث'' کے اس شمارے میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

" وكان أبي يقول بهذا الحديث "

اور میرے ابا جان یا والد ماجد اس حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ (مسند احمد:۴/۲۲۸ ح ۱۸۱۷۰)

۷: ابراہیم النخعی کا قول یہ ہے کہ صف کے پیچھے اکیلا آدمی رکوع نہ کرے۔ (ابن ابی شیبہ:۱/۲۵۷ ح ۲۶۳۵) یہی تحقیق ابن ابی شیبہ کی ہے (ایضاً:۲۶۳۶) بلکہ امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ پر رد لکھا ہے۔

(مصنف :۱۴/۱۵۶،۱۵۷ ح ۳۶۹۶،۳۶۰۷۰)

ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری (متوفی ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں: " صلوة الفرد خلف الصف باطل لثبوت خبر وابصة " الخ یعنی صف کے پیچھے اکیلے کی نماز، وابصہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث کی وجہ سے باطل ہے۔

(الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف:۴/۱۸۴ ت ۱۹۹۴)

۸: مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی شخص مصلی بعد اتمام صف صلوۃ مسجد میں آیا اور صف میں اس نے کوئی جگہ نہیں پائی تو وہ اکیلا صف کے پیچھے نماز نہ پڑھے بلکہ کسی شخص کو اطراف صف سے کھینچ کر اپنے ساتھ ملالے ''الخ (فتاوی علمائے حدیث ج ۳ ص ۷۷) اطرافِ صف کا مطلب یہ ہے کہ: ''صف کے کنارے سے کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ شامل کرے'' (فتاوی علمائے حدیث:۳/۲۴۸۶)

۹: جمہور علماء کا خیال ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کی نماز، عذر کی صورت میں ہو جاتی ہے (صلوۃ الجماعۃ، تالیف: صالح بن غانم السدلان ص ۱۱۲) امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ:'' لا يعيد'' وہ اعادہ نہیں کرے گا۔

(مصنف عبدالرزاق ۲/۵۹ ح ۲۴۸۶)

اسماء الرجال اور حدیث کی تصحیح وتضعیف میں ہمیشہ جمہور محدثین کو ترجیح ہوتی ہے الا یہ کہ جرح مفسر ہو۔ جبکہ فقہی مسائل وغیرھا میں دلیل صریح کے مقابلے میں جمہور کا قول مرجوح ہوتا ہے۔ والحق أحق أن يتبع

صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہ ہونے والا قول راجح ہے اگرچہ اس کے قائلین جمہور کے مقابلے میں کم ہیں۔

۱۰: صف سے آدمی کھینچنے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں پکڑ کر دائیں طرف کھڑا کر دیا، پھر جبار بن صخر رضی اللہ عنہ آئے تو نبی ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے جابر بن عبداللہ اور جبار بن صخر رضی اللہ عنہما دونوں کو دھکیل کر پیچھے کھڑا کر دیا۔

دیکھئے صحیح مسلم (۳۰۱۰، وترقیم دارالسلام:۷۵۱۶، باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر)

اب چند اہم تنبیہات پیش خدمت ہیں:

۱: عورت اگر اکیلی بھی ہو تو اس کی نماز ہو جاتی ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

۲: ایک حدیث میں آیا ہے کہ: " وسطوا الإمام " امام کو درمیان میں کرو (فتاوی اہل حدیث ج ۱ ص ۶۱۷)
یہ روایت بلحاظ سند ضعیف ہے، اس میں امۃ الواحد: مجہولہ ہے (تقریب: ۸۵۳۴) یحیی بن بشیر بن خلاد: مستور ہے۔
(ایضاً: ۷۵۱۵) نیز دیکھئے أنوار الصحيفة في الأحاديث الضعيفة (ص ۲۰، ابوداود: ۶۸۱)
۳: صف کے پیچھے اکیلے نمازی کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں۔
ا: نماز نہیں ہوتی ب: نماز ہوجاتی ہے۔ ج: عذر ہو مثلاً (اگلی صف بھری ہوئی ہو) تو نماز ہو جاتی ہے۔
ان اقوال میں اول قول ہی راجح ہے، جبکہ محترم مبشر احمد ربانی صاحب کی تحقیق واجتہاد میں ثالث الذکر (ج) قول راجح ہے۔
۴: علماء کے درمیان اگر اجتہادی امور میں اختلاف ہو تو راجح لے کر مرجوح چھوڑ دیں اور علماء کا مکمل احترام کریں۔
جواب (۲) اس مفہوم کا اثر حافظ ابن کثیر نے مؤطا امام مالک سے بسند عمرو بن دینار عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے (۱/۵۴۱، سورہ البقرہ: ۲۲۷) یہ اثر مؤطا امام مالک میں نہیں ملا، دوسرے یہ کہ عمرو بن دینار نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا دیکھئے تحفۃ الاشراف (۸/۹۴ ح ۱۰۶۱۳، ولفظه :عمرو بن دينار المكي الأثرم عن عمر ......ولم يدركه)
بیہقی نے اسماعیل بن ابی اویس حدثني مالك عن عبدالله بن دينار عن ابن عمر قال :خرج عمر بن الخطاب رضي الله عنه من الليل فسمع امرأة تقول ...... الخ کی سند سے اس کے ہم معنی روایت بیان کی ہے (۹/۲۹) تفسیر ابن کثیر میں اس کا ایک شاہد بھی ہے (۱/۵۴۱) مصنف عبدالرزاق (۷/۱۵۰، ۱۵۱، ح ۱۲۵۹۳، ۱۲۵۹۴) اور المحلی لابن حزم (۱۰/۴۰ مسئلہ: ۱۸۸۶) وغیرھما میں اس مفہوم کی دوسری سندیں بھی ہیں لیکن کی ہر سند فرداً فرداً ضعیف ہے، لہذا راجح تحقیق میں یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم (۲۰۰۴-۵-۱۶)

سوال: آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا یا والد؟ کیونکہ ''اَب'' کا لفظ والد کے ساتھ ساتھ چچا کیلئے بھی بولا جاتا ہے اور قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ (طارق، دومیل، مظفر آباد، ۱۵ جون ۲۰۰۴ء)
جواب: آزر کے بارے میں دو مذہب مشہور ہیں۔
ا: ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے۔ ۲: آزر، ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہے۔
میری تحقیق میں پہلا مذہب ہی صحیح اور حق ہے۔
(ا) مذہب اول کے دلائل: ا: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ﴾ (سورۃ الانعام: ۷۴)
ویاد کن چون گفت ابراہیم پدر خواہ آزر را خدا میگیر ی بتان را۔ (فارسی ترجمہ: شاہ ولی اللہ الدھلوی: ص ۱۶۶)
اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو، تو کیا پکڑتا ہے مورتوں کو خدا؟ (اردو ترجمہ: شاہ عبدالقادر دھلوی: ص ۱۶۶)
۲: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: " يلقى إبراهيم أباه آزر يوم القيامة

وعلی وجه آزر قترة وغبرة " الخ ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے۔
(صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب:۸ ح ۳۳۵۰)

۳ تا ۹: قرآن مجید میں درج ذیل آیاتِ مبارکہ میں ﴿ لِاَبِیْہِ ﴾ کہہ کر ابراہیم علیہ السلام کے بت پرست والد کا ذکر کیا گیا ہے۔(۳) سورہ التوبہ، آیت:۱۱۴ (۴) سورہ الممتحنہ:۴ (۵) مریم:۴۲ (۶) الانبیاء:۵۲ (۷) الشعراء:۷۰ (۸) الصافات:۸۵ (۹) الزخرف:۲۶۔

۱۰: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کیا کہ: ﴿ وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴾
اور میرے باپ کی مغفرت کر، بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا۔ (سورہ الشعراء:۸۶)

۱۱ تا ۱۴: ابراہیم علیہ السلام نے بار بار ﴿ یٰٓاَبَتِ ﴾ کہہ کر اپنے والد کو مخاطب کیا۔
(۱۱) سورہ مریم:۴۲ (۱۲) مریم:۴۳ (۱۳) مریم:۴۴ (۱۴) مریم:۴۵

۱۵: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
" إن إبراهيم رأى أباه يوم القيامة ، عليه الغبرة والقترة "
بے شک ابراہیم (علیہ السلام) اپنے باپ کو قیامت کے دن دیکھیں گے، اس پر گرد اور کالک چھائی ہوگی۔
(السنن الکبریٰ للنسائی: ح ۱۱۳۷۵، والتفسیر للنسائی: ح ۳۹۵ وسندہ صحیح، ولہ طریق آخر عند البخاری فی صحیحہ: ۴۷۶۸)

۱۶: اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی (تابعی) نے کہا:
" اسم أبيه آزر " ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ہے۔(تفسیر طبری: ج ۷ ص ۱۵۸، وسندہ حسن لذاتہ)

تنبیہ: ایک دوسری روایت میں سدی مذکور نے صیغۂ تمریض استعمال کرتے ہوئے کہا:
" ويقال :لا بل اسمه تارح واسم الصنم آزر " (تفسیر طبری: ۷/۱۵۸، ۱۵۹، وسندہ حسن)
"ویقال" میں اشارہ ہے کہ یہ دوسرا قول مردود ہے، مجہول قائل کا یہ مردود قول تفسیر ابن ابی حاتم (۱۳۲۵/۴) اور درمنثور (۲۳/۳) میں الفاظ کے تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

(۲) مذہب دوم کے دلائل: ۱: مجاہد تابعی سے مروی ہے کہ:
" آزر لم يكن بأبيه ولكنه اسم صنم " (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۳۲۵/۴، وتفسیر طبری: ۱۵۸/۷)
اس قول کی سند کا ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے، اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۴۱۷ تا ۴۱۹) حافظ ابن حجر نے فرمایا: " وليث ضعيف " اور لیث (بن ابی سلیم) ضعیف ہے۔ (فتح الباری: ج ۲ ص ۲۱۴ ح ۷۲۹) ضعف کی وجہ اس کا آخری عمر میں اختلاط ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۵۶۸۵)
لیث مذکور مدلس بھی ہے، دیکھئے کتاب " مشاهير علماء الأمصار " لابن حبان (ص ۱۴۶ رقم: ۱۱۵۳)

لہذا یہ روایت دووجہ سے ضعیف ومردود ہے۔ایک دوسری سند میں ابن ابی نجیح مدلس راوی ہے لہذا وہ سند بھی ضعیف ہے۔

۲: ابن جریج سے مروی ہے کہ : " ليس آزر بأبيه " الخ (درمنثور:ج۳ص۲۳ بحوالہ:ابن المنذر)

اس روایت کی کوئی سند معلوم نہیں ہے، لہذا یہ روایت مردود ہے۔

۳: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

" إن أبا إبراهيم لم يكن اسمه آزر ، إنما كان اسمه تارح " (تفسیر ابن ابی حاتم:۴/۱۳۲۵ ح۷۴۹۱)

یہ روایت ضعیف ومردود ہے۔بشر بن عمارہ الخثعمی المکتب الکوفی :ضعیف ہے(تقریب:۶۹۷)ضحاک بن مزاحم نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے(کچھ بھی) نہیں سنا، دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (ج۴ص۴۵۹ عن ابی زرعہ رحمہ اللہ)

مضبوط سند کے ساتھ مروی ہے کہ عبدالملک بن میسرہ نے ضحاک بن مزاحم سے پوچھا:

کیا آپ نے ابن عباس سے (کچھ) سنا ہے؟ کہا:نہیں۔کہا:یہ(تفسیر) جو آپ بیان کرتے ہیں، یہ کس سے لی ہے؟ کہا: تجھ سے اور اس سے اور اُس سے۔(کتاب الجرح والتعدیل: ج۴ص۴۵۸، ج۸ص۳۳۳، کتاب المراسیل لابن ابی حاتم:ص۹۵)

اس روایت کا راوی معلیٰ بن خالد الرازی ثقہ ہے اور ابواسامہ تدلیس معروف کے الزام سے بری ہے۔دیکھئے میری کتاب ''الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین'' (۲/۴۴) والحمدللہ

تنبیہ(۱): ابن ابی حاتم نے حسن سند کے ساتھ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے نقل کیا ہے کہ:

" يعني بآزر الصنم وأبو إبراهيم ، اسمه :يازر وامه اسمها مثانى " الخ (۱۳۲۴/۴)

یہ روایت اسرائیلیات سے ماخوذ ہے، یازر اور آزر ایک ہی شخصیت کا نام ہے۔صرف لہجے میں فرق ہے جیسے ابراہیم اور ابراہام ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔بت کا نام آزر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بت پرست کا نام آزر نہیں ہو سکتا رام نامی ہندو، رام بت کی عبادت کرتا ہے حالانکہ عبادت صرف ایک اللہ ہی کی کرنی چاہئے۔

تنبیہ(۲): کسی ایک صحابی یا تابعی سے یہ باسند قطعاً ثابت نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہیں ہے۔

تنبیہ(۳): سلیمان التیمی سے مجہول سند کے ساتھ مروی ہے کہ:

" بلغني أنها أعوج وأنها أشد كلمة قالها إبراهيم ﷺ لأبيه" (تفسیر ابن ابی حاتم:۴/۱۳۲۵)

یہ قول مذہب اول کے مخالف نہیں ہے کیونکہ ہٹ دھرم ضدی اور کافر باپ سے جو توحید کا انکار کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو گھر سے نکال دے، عندالضرورت سخت الفاظ کہے جا سکتے ہیں۔

تنبیہ(۴): بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح اور لقب آزر ہے، یہ قول مذہب اول کے مطابق ہے، مخالف بالکل نہیں ہے۔

تنبیہ(۵): کسی ایک روایت میں یہ قطعاً ثابت نہیں کہ قرآن میں ''آزر'' کا لفظ چچا ''عم'' کے بارے میں ہے

جس شخص کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں بہت سی آیات میں " لِأَبِيهِ " یا " يَا أَبَتِ " کے لفظ کا مطلب " لِعَمِّهِ " یا " يَا عَمّ " ہے۔اس سے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ایک دلیلِ قوی پیش کرے جو اس کے دعویٰ پر صریح ہو۔

خلاصۃ التحقیق: ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے، چچا کا نام آزر ثابت نہیں ہے۔

روح المعانی: آلوسی نے ایک روایت لکھی ہے:

" **لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات** " (روح المعانی: ج۴ص۱۹۵)

یہ روایت بے اصل ہے۔اس مفہوم کی ایک باطل و مردود روایت ابونعیم اصبہانی کی دلائل النبوۃ میں ہے (ج۱ص۵۷ ح۱۵)

اس روایت کے درج ذیل راویوں کے حالات معلوم نہیں ہیں:

یزید بن ابی حکیم! ،موسیٰ بن عیسیٰ ،انس بن محمد، محمد بن عبداللہ ،احمد بن محمد بن سعید المروزی، محمد بن سلیمان الہاشمی

اس باطل روایت کے بارے میں حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ:

" **أخرجه أبو نعيم من طرق عن ابن عباس** " (الخصائص الکبریٰ:۱/۳۷)

حالانکہ ابونعیم نے اسے ایک ہی سند سے روایت کیا ہے۔

تفسیر ابن ابی حاتم (ج۹ص۲۸۲۸ ح۱۶۰۲۸) وغیرہ میں حسن سند سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: "**من نبي إلى نبي حتى أخرجك نبياً** "

یعنی آپ ﷺ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل نبی علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

اس موقوف قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ نبی ﷺ کے والد عبداللہ، دادا عبدالمطلب، پردادا ہاشم: یہ سب نبی تھے اور نہ یہ کسی کا عقیدہ ہے، صحیح بخاری کی صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے آباء واجداد میں سے اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی نبی نہیں تھا، دیکھئے کتاب بدء الوحی (باب:۱ح۷)

آلوسی نے لکھا ہے کہ: " **أخرجه ابن المنذر في تفسيره بسند صحيح عن سليمان بن صرد قال ...... فقال عمه :من أجلي دفع عنه ......** " (روح المعانی: ج۴ص۱۹۵)

اس قول کی کوئی سند معلوم نہیں ہے، پتہ نہیں کہ آلوسی نے یہ کہاں سے دعویٰ کر رکھا ہے کہ " **بسند صحيح** "!

بے اصل و بے سند روایات کو " بسند صحيح " کہہ کر تسلیم کروانا بہت ہی عجیب کام ہے۔اگر یہ قول باسند صحیح ثابت ہو بھی جاتا تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا کہ ابراہیم علیہ السلام کا والد آزر اور چچا (نام غیر معلوم) دونوں آپ علیہ السلام کے سخت مخالف تھے، اور ایسا ہونا کوئی بعید نہیں ہے، یاد رہے کہ اس بے سند روایت میں ولدیتِ آزر کی نفی موجود نہیں ہے

محدث کبیر ابوالاشبال احمد محمد شاکر المصری رحمہ اللہ نے صاف صاف لکھا ہے کہ:

" **أما أن اسم والد إبراهيم " آزر " فإنه عندنا أمر قطعي الثبوت ، بصريح القرآن في هذه الآية،**

بدلالة الألفاظ على المعاني ، وأما التأويل والتلاعب بالألفاظ ، فما هو إلا إنكار مقنع لمضمون الكلام ومعناه ، وسواء أكان اسمه في قول أهل النسب نقلاً عن الكتب السابقة – " تارح " أولم يكن ، فلا أثر له في وجوب الإيمان بصدق ما نص عليه القرآن وبدلالة لفظ " لأبيه " على معناه الوضعي في اللغة، والقرآن هو المهيمن على ما قبله من كتب الأديان السابقة ،

ثم يقطع كل شك ويذهب بكل تأويل – الحديث الصحيح الذي رواه البخاري (ج ٤ من الطبعة السلطانية ص ١٣٩ من فتح الباري) :" عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال :يلقى إبراهيم أباه آزر يوم القيامة ، وعلى وجه آزر قترة و غبرة ، فيقول له إبراهيم :ألم أقل لك :لا تعصني ؟ " إلى آخر الحديث وليس بعد هذا النص مجال للتلاعب "

یعنی: ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہونا ہمارے نزدیک، اس آیت کریمہ میں قرآن کی صراحت کے ساتھ قطعی الثبوت ہے، الفاظ بھی اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں، رہا تاویلیں کرنا اور الفاظ کے ساتھ کھیلنا تو یہ قرآن کے مضمون کا انکار ہی ہے، اہل نسب نے اگلی (محرف شدہ) کتابوں سے تارح نقل کیا ہے، اس کا قرآن کے مقابلے میں کوئی اثر (واعتبار) نہیں ہے، لغت میں ﴿لابیہ﴾ کا لفظ اصل میں باپ پر دلالت کرتا ہے، اور قرآن مجید اگلی تمام کتابوں پر فیصلہ کن حاکم اور نگران ہے، پھر اس صحیح حدیث سے بھی ہر قسم کا شک اور تاویل باطل ہو جاتی ہے جسے بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے نبی ﷺ سے نقل کیا ہے کہ: ابراہیم (علیہ السلام) قیامت کے دن اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے اور آزر کے چہرے پر کالک اور گرد وغبار چھایا ہوگا تو اسے ابراہیم (علیہ السلام) کہیں گے: کیا میں نے تجھے یہ نہیں کہا تھا: میری نافرمانی نہ کر؟ (صحیح بخاری: ۳۳۵۰) اس حدیث کے بعد کسی تلاعب (الفاظ کے ساتھ کھیلنے) کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے'' (عمدۃ التفسیر: ج ۵ ص ۵۳)

....

سوال: طارق جمیل تبلیغی دیوبندی صاحب ایک مشہور واعظ ہیں، انہوں نے ایک واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''سعد السلیمی رضی اللہ عنہ بنو سلیم کے بدصورت، کالے رنگ والے تھے، نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا:

''جاؤ عمرو (بن وھب الثقفی) سے کہو (وہ) اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دے دے'' جب سعد رضی اللہ عنہ وہاں (عمرو رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے کے پاس) پہنچے تو معلوم ہونے کے بعد عمرو بن وھب نے انکار کر دیا: '' بھاگ جا کہاں کی بات کرتا ہے؟'' عمرو کی بیٹی جو خوبصورت اور حسن و جمال میں مشہور تھی، بولی: ''اے ابا جان! یہ سوچ لو کیا کر رہے ہو، تم نبی کی بات کو ٹھکرا رہے ہو ہلاک ہو جاؤ گے، میں تیار ہوں، نبی کے حکم کے سامنے میں کالے گورے کو نہیں دیکھ رہی، میں نبی کے حکم کو دیکھ رہی ہوں، جاؤ میں تیار ہوں اور کہہ دو: میں شادی کروں گی'' اس کے بعد چار سو درہم حق مہر پر شادی ہو گئی''

یہ مفصل واقعہ جناب طارق جمیل صاحب کے بیان کردہ ''ایمان افروز اصلاحی واقعات'' کے مجموعے ''دلچسپ اصلاحی واقعات'' (ترتیب محمد ارسلان اختر) میں درج ہے۔ (ص ۲۲۰ تا ۲۲۳)

مہربانی فرما کر اس واقعے کی تحقیق کر کے ماہنامہ ''الحدیث'' میں شائع کریں، جزاکم اللہ خیراً۔ (ابوعبداللہ محمد نواز، ساماں)

جواب: طارق جمیل صاحب کا بیان کردہ یہ واقعہ ''سوید بن سعید: ثنا محمد بن عمر الکلاعی عن الحسن وقتادہ عن انس رضی اللہ عنہ'' کی سند کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے۔

کتاب المجروحین لابن حبان (ج ۲ ص ۲۹۱، ۲۹۲) الکامل لابن عدی (ج ۶ ص ۲۲۱۵، ۲۲۱۶)۔

اس روایت کے راوی محمد بن عمر کے بارے میں امام حاکم النیسابوری فرماتے ہیں:

'' **روى عن الحسن وقتادة حديثاً موضوعاً ، روى عنه سويد بن سعيد** ''

(المدخل للحاکم: ص ۲۰۵ ت ۱۸۶ لسان المیزان: ۵ ص ۳۱۹ واللفظ لہ)

یعنی یہ روایت، امام حاکم کے نزدیک موضوع (من گھڑت) ہے۔

اس روایت کے راوی محمد بن عمر الکلاعی کے بارے میں امام ابن عدی نے فرمایا:

'' **منكر الحديث عن ثقات الناس** '' وہ ثقہ راویوں سے منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔ (الکامل: ج ۶ ص ۲۲۱۵)

حافظ ابن حبان نے کہا: '' **منكر الحديث جداً** '' یہ سخت منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔ (المجروحین: ج ۲ ص ۲۹۱)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے جسے طارق جمیل صاحب نے بیان کیا ہے۔ وماعلینا الا البلاغ

سوال: طارق جمیل صاحب فرماتے ہیں کہ: ''نباتہ بن یزید نخعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یمن کے علاقے سے اللہ کے راستے میں نکلے، راستے میں گدھا مر گیا، ساتھیوں نے کہا، سامان ہمیں دے دو، کہا: نہیں، چلو میں آتا ہوں، ان کو آگے روانہ کیا، خود مصلی بچھایا، اللہ اکبر، دو نفل پڑھے: اے میرے مولا، تو ہر چیز سے غنی، میں ہر چیز کا محتاج، تو مردوں کا زندہ کرنے والا، گدھے کی روح تو نے قبض کی ہے، مجھے لمبا سفر کرنا ہے، مجھے اس کی ضرورت ہے اے اللہ اسے زندہ کر دے، یہ کہہ کر اٹھے، چھڑی اٹھائی اور ایک ماری، کہا: اٹھو اللہ کے حکم سے، وہ ایک دم گدھا کود کے کھڑا ہو گیا'' (دلچسپ اصلاحی واقعات ص ۲۲۳)

کیا یہ واقعہ صحیح ثابت ہے؟ (معاذ علی زئی)

جواب: یہ واقعہ حافظ ابن حجر نے الاصابۃ میں ابوبکر بن درید کی کتاب '' **الأخبار المنثورة** '' سے '' **ابن الكلبي عن أبيه عن مسلم بن عبدالله بن شريك النخعي** '' کی سند سے نقل کیا ہے۔ (ج ۳ ص ۵۸۲، القسم الثالث: ت ۸۸۵۰) اس کا راوی محمد بن السائب الکلبی کذاب ہے۔ سلیمان التیمی نے کہا:

'' **كان بالكوفة كذابان أحدهما الكلبي** ''

کوفہ میں دو کذاب (جھوٹے راوی) تھے ان میں سے ایک کلبی ہے۔(تہذیب التہذیب:٩/١٥٧)

یزید بن زریع کہتے ہیں کہ:

'' **أشهد أن الكلبي كافر** '' میں گواہی دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے۔ (تہذیب التہذیب:٩/١٥٨)

جوزجانی نے کہا: '' **كذاب ساقط** '' کلبی جھوٹا ساقط ہے (تہذیب:٩/١٥٩)

اس کا دوسرا راوی ھشام بن محمد بن السائب الکلبی ہے۔

اس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: ''متروک'' ابن عساکر نے کہا: '' **رافضي ليس بثقة** '' یہ رافضی ہے ثقہ نہیں ہے۔ (لسان المیزان:٦/١٩٦)

تنبیہ: ابن الکلبی تک سند نامعلوم ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع (جعلی، من گھڑت) ہے۔ وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قسط اول

حافظ زبیر علی زئی

نزول مسیح علیہ السلام حق ہے

المعروف به

القول الصحيح فيما تواتر في نزول المسيح

آغازِ نبوت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے ''دینِ اسلام'' پر اعتراضات کا سلسلہ جاری ہے، معترض خواہ غیر مسلم ہو یا نام نہاد مسلم، قرآن وحدیث کے مختلف پہلوؤں پر اپنی ذہانت کے تیر چلانا موروثی حق تصور کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہی منکرین، معترضین، متعصبین اور عدوّ اسلام کا تذکرہ ''اندھیرے اور مشعل راہ'' میں کر چکا ہوں ''نزولِ عیسی علیہ السلام حق ہے'' بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

جس میں قرآن، صحیح احادیث، اجماع اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں عیسی بن مریم الناصری علیہما السلام کے آسمان سے نازل ہونے کا ثبوت پیش کیا گیا ہے، اور منکرین کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیئے گئے ہیں، اس کتاب کی تصنیف کے بعد جناب انور شاہ کشمیری کی کتاب ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' کا علم ہوا، کتاب حاصل کر کے پڑھی، بہترین کوشش ہے، تاہم کنز العمال وغیرہ سے بلاتحقیق حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ لہذا اس میں صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع روایات بھی موجود ہیں۔

اہل کتاب (یہود) نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا، پیغمبروں پر ستم ڈھائے، انہیں قتل کیا، بچھڑے کو پوجا بے شمار اعمالِ کفریہ کے مرتکب ہوئے (اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں ملعون اور مغضوب علیہم ٹھہرے) ان کی یہ حالت بیان کر کے خالق کائنات فرماتا ہے:

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَاناً عَظِيْماً ○ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ج وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ج مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْناً ○ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ج وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزاً حَكِيْماً ○ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً ○

اس لئے کہ انہوں نے حق کا انکار کیا اور مریم (علیہا السلام) پر بہت بڑا بہتان لگا دیا نیز یہ کہنے کی وجہ سے کہ ''تم نے اللہ

کے رسول مسیح عیسی بن مریم کو قتل کر ڈالا ہے' حالانکہ انہوں نے اسے قتل نہ کیا اور نہ صلیب پر (ہی) چڑھایا بلکہ یہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ ہو گیا اور بلا شبہ جن لوگوں نے اس معاملہ میں اختلاف کیا، وہ خود بھی شک میں مبتلا ہیں۔ انہیں حقیقت کا کچھ علم نہیں۔ محض ظن کے پیچھے ہیں اور یقیناً وہ انہیں قتل نہیں کر سکتے تھے، بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا تھا اور اللہ زور آور اور حکمت والا ہے، اور تمام اہل کتاب (ابن مریم) کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لائیں گے، اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے۔ (سورہ النساء: ۱۵۷ تا ۱۵۹)

قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ:

۱: یہود نے عیسی بن مریم ناصری علیہا السلام کو قتل نہیں کیا۔ ۲: اور نہ انہیں سولی دی۔ ۳: بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسی علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھا لیا۔ ۴: اور عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کی موت سے پہلے (اس زمانے میں موجود) تمام اہلِ کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے (یعنی وہ ابھی تک زندہ ہیں اور ان پر موت نہیں آئی ہے)

یہ بات بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے، اور اپنے علم وقدرت سے ہر چیز کو محیط ہے، یہ عقیدہ متعدد قرآنی آیات، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ تفصیل کے لئے امام الائمہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ کی کتاب ''التوحید'' حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب " **العلو للعلی الغفار** " امام ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ کی " **اثبات صفة العلو** " وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات سے جدا (بائن) ہے، کسی چیز میں بھی اس نے حلول نہیں کیا ہے، لہذا اسے اسی ذات کے ساتھ ہر جگہ ماننا بے دینی ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قدیر، علیم اور محیط ہے۔ لہذا عیسی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا اپنے پاس لے جانے کا مطلب آسمانوں پر لے جانا ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلاً اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ○ وَقَالُوْآ ءَ اٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ط مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلاَّ جَدَلاً ط بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ○ اِنْ هُوَ اِلاَّ عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلاً لِّبَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ ○ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنكُمْ مَّلٰئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ○ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○

اور جب (عیسی) ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم نے اس سے غل مچا دیا۔ اور کہنے لگے: کیا ہمارے الٰہ اچھے ہیں یا وہ (عیسی)؟ جو آپ کے سامنے یہ مثال سراسر کج بحثی کی خاطر لائے ہیں، بلکہ یہ ہیں ہی جھگڑالو قوم۔ وہ (عیسی) محض ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا اور اسے بنو اسرائیل کے لئے نمونہ بنا دیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے پیدا کر دیتے جو زمین میں تمہارے جانشین ہوتے۔ اور وہ (نزول عیسی) تو قیامت کی ایک علامت ہے

لہذا اس میں ہرگز شک نہ کرو، اور میری اتباع کرو یہی صراطِ مستقیم ہے۔ (سورہ الزخرف: ۵۷تا۶۱)

قرآن مجید کی ان آیات سے معلوم ہوا، کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام قیامت کی نشانی یا عَلَم ہیں، لہذا اس میں بالکل شک نہیں کرنا چاہئے۔ مفسر قرآن حبر الائمہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت مبارکہ " وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ " کے بارے میں فرمایا: " نزول عيسى بن مريم من قبل يوم القيامة "

یعنی: قیامت کے دن سے پہلے عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کا نزول۔ (۱)

(صحیح ابن حبان: ۶۸۷۸، موارد الظمآن: ۱۷۵۸)

یہ حدیث تقریباً اسی مفہوم کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، دیکھئے مسند احمد (۳۱۸/۱ ح ۲۹۲۰) تفسیر ابن جریر (۵۴/۲۵) مستدرک الحاکم (۴۴۸/۲) مسند مسدد (المطالب العالیۃ: ۳۷۳۰) المعجم الکبیر للطبرانی (۱۵۴/۱۲ ح ۱۲۷۴۰) الفریابی، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۰)

اسے حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا، لیکن اس کی سند میں نظر ہے اور مرفوع زیادہ صحیح ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات اور متواتر احادیث کی روشنی میں مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں آپ آسمان سے زمین پر اتر کر دجال کو قتل کریں گے۔

تفسیر ''البحر المحیط'' میں ہے:

''وأجمعت الأمة على ما تضمنه الحديث المتواتر من أن عيسى في السماء وأنه ينزل في آخر الزمان ''

'' حدیث متواتر کے اس مضمون پر امت کا اجماع ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں اور وہ آخری زمانہ میں آسمان سے اتریں گے۔'' (ج ۲ ص ۴۹۷)

ابوالحسن اشعری (متوفی ۳۲۹ھ) نے کہا:

'' وأجمعت الأمة على أن الله عزوجل رفع عيسى إلى السماء ''

(۱) اس کی سند میں ایک راوی ''ابو یحیی مصدع'' ہے ابن شاہین نے کہا: ثقہ (کتاب الثقات: ۱۴۰۷) ذہبی نے کہا: صدوق (الکاشف: ۵۵۵۶) اور صحیح مسلم کا راوی ہے (تقریب: ۶۶۸۳) عمار الدہنی نے اس کی تعریف کی (تہذیب: ۱۴۳/۱۰) ابن حبان نے تصحیح کے ذریعے اس کی توثیق کی، ابن عدی نے اس پر سکوت کیا۔ (الکامل: ج ۲۴۵۹/۶) اس پر الجوزجانی (احوال الرجال: ۲۴۹)، ابن حبان (المجروحین: ۳۹/۳) اور ابن الجوزی نے جرح کی (العلل المتناھیہ: ۵۴/۲) العقیلی نے ضعفاء میں ذکر کیا (۲۶۶/۴) حافظ ابن حجر نے موافقۃ الخُبر الخبر (۱۷۴/۲) مصدع مذکور اور ابو رزین کے بارے میں لکھتے ہیں: '' وهما ثقتان تابعيان '' اس راوی کے بارے میں امام ذہبی کا قول ہی راجح ہے لہذا اس کی حدیث حسن سے کم نہیں ہے، موقوف روایت اس کا ایک شاہد ہے۔

عاصم بن بہدلہ صحاح ستہ کا راوی اور جمہور اہل الحدیث کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں۔ حافظ ذہبی نے کہا: '' إمام صدوق '' (دیوان الضعفاء: ۲۰۴۲) امام ابن حبان نے کہا: '' ثقة متقن '' (صحیح ابن حبان: ۲۱۱۶) لہذا عاصم کی روایت بھی حسن درجے سے کم نہیں ہے۔

''اورامت نے اس بات پر اجماع کیا ہے، کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا ہے۔''

(الابانۃ عن اصول الدیانۃ ص ۳۴)

نیز دیکھئے نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ص ۲۴۱) وغیرہ اور ظاہر ہے کہ امت خطاء پر اکٹھی نہیں ہوسکتی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لا يجمع الله أمتي على ضلالة أبداً ويد الله على الجماعة "

اللہ میری امت کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

(المستدرک: ۱/۱۱۶ عن ابن عباس واسنادہ صحیح)

محمد رسول اللہ ﷺ سے نزولِ مسیح کی احادیث بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہیں، مثلاً ابو ہریرہ الدوسی الیمانی، جابر بن عبداللہ الانصاری، النواس بن سمعان، اوس بن اوس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابوسریحہ حذیفہ بن اسید الغفاری، ام المؤمنین عائشہ، عبداللہ بن مسعود، مجمع بن جاریہ، عبداللہ بن مغفل وغیرہم، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ابوالفیض الادریسی الکتانی نے کہا:

" والحاصل أن الأحاديث الواردة في المهدى المنتظر متواترة وكذا الواردة الدجال وفي نزول سيدنا عيسى بن مريم عليهما السلام "

اور حاصل یہ ہے کہ مہدی منتظر کے بارے میں احادیث متواتر ہیں، اسی طرح دجال اور سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے نزول کے بارے میں بھی [احادیث متواتر ہیں] (نظم المتناثر ص ۲۴۱)

نزول مسیح کی احادیث کے متواتر ہونے کی تصریح درج ذیل علماء نے بھی کی ہے۔

الامام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری السنی فی جامع البیان فی تفسیر القرآن (۳/۲۰۴) ابن کثیر الدمشقی فی تفسیر القرآن العظیم (۱/۵۷۷، ۵۸۲) وغیرہما

اب نزول مسیح کی کچھ صحیح وحسن احادیث لکھی جاتی ہیں، تاکہ جو زندہ رہے دلیل دیکھ کر جئے اور جو مرے دلیل دیکھ کر مرے، منکرینِ حدیث اور منکرین اجماع کے شبہات کے مدلل جوابات بھی دیئے گئے ہیں، تاکہ ان پر حجت تمام ہوجائے۔ **وباللہ التوفیق**

(۱) ابوہریرہ الدوسی الیمانی رضی اللہ عنہ: آپ مشہور صحابی، ثقہ، حافظ، امام اور محبوب المؤمنین ہیں۔ آپ نے نبی ﷺ سے کہا: آپ دعا فرمائیں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری والدہ کو اپنے مومن بندوں کا محبوب بنا دے تو آپ ﷺ نے دعا فرما دی، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو مومن بھی مجھے دیکھتا ہے یا میرا ذکر سنتا ہے دعاءِ نبی ﷺ کی برکت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرنے لگتا ہے (صحیح مسلم مع النووی: ۱۶/۵۲ ح ۲۴۹۱) آپ سے اٹھارہ سو یا

زیادہ اشخاص نے حدیثیں بیان کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب:۱۲/۲۹۰)

حافظ ذہبی نے کہا:

" **الإمام الفقيه المجتهد الحافظ صاحب رسول الله** ﷺ ...... **سيد الحفاظ الأثبات** "

(سیر اعلام النبلاء:۲/۵۷۸)

ام المؤمنین عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ (التاریخ الصغیر للبخاری: ۱/۱۲۸، ۱۲۹) آپ سے نزول المسیح کی احادیث درج ذیل علماء نے بیان کی ہیں۔

۱: سعید بن المسیب ۲: نافع مولی ابی قتادہ الانصاری ۳: سعید المقبری

۴: عطاء بن میناء مولی ابن ابی ذباب ۵: حنظلہ بن علی الاسلمی ۶: عبدالرحمٰن بن آدم

۷: عبدالرحمٰن بن ابی عمرۃ ۸: ولید بن رباح ۹: محمد بن سیرین

۱۰: زیاد بن سعد ۱۱: کلیب ۱۲: رجل من بنی حنیفہ

۱۳: ابوصالح ذکوان ۱۴: یزید بن الاصم

۱: **سعید بن المسیب:** ابومحمد القرشی المدنی، آپ مدینہ کے زبردست عالم اور فقیہ تھے، آپ کی مرویات صحاح ستہ اور تمام دواوینِ اسلام میں موجود ہیں، آپ کی عدالت اور جلالت پر اجماع ہے، حافظ ذہبی نے کہا:

''**أحد الأعلام و سيد التابعين ...... ثقة حجة فقيه رفيع الذكر ، رأس في العلم والعمل**'' (الکاشف:۱۹۷۹)

آپ سے یہ حدیث امام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری القرشی نے سنی، امام زہری سے لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ صالح (بن کیسان)، ابن ابی ذئب، معمر، یونس، ابن جریج، اوزاعی، الماجشونی وغیرہم یہ حدیث متقارب الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

امام زہری کا تعارف: ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب بن عبداللہ الحارث بن زھرہ بن کلاب القرشی الزھری ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں پیدا ہوئے، آپ اہلِ سنت کے مشہور امام ہیں، حافظ ابونعیم اصبہانی نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں ان کا طویل تذکرہ لکھا ہے (ج ۳ ص ۳۶۰ تا ۳۸۱) آپ کی احادیث صحاح ستہ، مؤطا امام مالک جامع المسانید للخوارزمی، المنسوب إلی الامام ابوحنیفہ، الام للشافعی، مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، المستدرک علی الصحیحین وغیرہ تمام کتبِ حدیث اور دواوین اسلام میں موجود ہیں۔

آپ کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے، حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا:

''**الفقيه الحافظ متفق على جلالة وإتقانه وثبته**''

یعنی آپ فقیہ حافظ ہیں اور آپ کی جلالت اتقان (ثقہ کا اعلیٰ درجہ) اور ثبات پر اتفاق ہے، انتہی (تقریب التہذیب:۶۲۹۶)

(نیز دیکھئے تدریب الراوی: ۸۶/۱) آپ سے ابوحنیفہ، مالک، عمر بن عبدالعزیز، اوزاعی، سفیان اور ایک سو سے زیادہ اشخاص حدیث بیان کرتے ہیں، تمام علماء آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

عمرو بن دینار نے کہا: ''میں نے زہری سے زیادہ حدیث کی بصیرت والا کوئی نہیں دیکھا''۔ (حلیہ :۳۶۰/۳) ''میں نے زہری سے زیادہ درا ہم (مال و دولت) کو گھٹیا اور بے وقعت سمجھنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا، مال و دولت ان کے نزدیک بکری کی مینگنی کے برابر تھا'' (سیر اعلام النبلاء: ۳۳۴/۵) ایوب سختیانی نے کہا: ''میں نے زہری سے زیادہ عالم کوئی نہیں دیکھا۔'' (حلیہ: ۳۶۰/۳) اسی طرح امام مکحول، عمر بن عبدالعزیز اور سفیان نے آپ کی بہت تعریف کی ہے۔ (حلیہ: ۳۶۰/۳)

امام العجلی نے کہا: " (مدني) تابعي ثقة " (تاریخ الثقات: ۱۵۰۰) ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا: " و كان فقيهاً فاضلاً " (۳۴۹/۵) ابن شاہین نے اسے تاریخ اسماء الثقات میں ذکر کیا ہے بلکہ متعدد ائمہ نے زہری کی احادیث کو اصح الاسانید میں شمار کیا ہے۔ (دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۲ تقریب النووی مع تدریب الراوی: ۷۷/۱، ۷۸) لہذا یہ ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک امام زہری اعلیٰ درجہ کے ثقہ و متقن ہیں اور ان کی حدیث صحیح حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔

تشیع کا الزام اور اس کا جواب: ابو الخیر اسدی اپنی کتاب ''اسلام میں نزول مسیح کا تصور'' میں لکھتا ہے: ''شیعہ کے ائمہ رجال کا اعتراف کہ ابن شہاب زہری، امام جعفر صادق کے اصحاب میں شمار ہوتا تھا، چنانچہ مامقانی شیعہ رجال کے مشہور امام اپنی کتاب تنقیح المقال فی اسماء الرجال میں لکھتے ہیں:

"قال المامقاني محمد بن مسلم الزهري المدني عده الشيخ في رجاله من أصحاب الصادق "

''مامقانی لکھتے ہیں کہ محمد بن مسلم الزہری کو شیخ الطائفہ نے اپنے رجال میں امام جعفر صادق کے اصحاب میں شمار کیا ہے......''

(ص ۴۱، ۴۲) (تنقیح المقال فی اسماء الرجال ۱۸۶/۳)

جواب: میں نے مذکورہ سطور میں یہ ثابت کر دیا ہے، کہ امام زہری اہل سنت کے زبردست ثقہ بالا جماع امام اور سنی ولی ہیں، اہل سنت کی تمام کتب حدیث میں ان کی احادیث موجود ہیں، سنی علماء نے ان کی تعریف و توثیق کی ہے۔ اور ان کی احادیث کو صحیح بلکہ اصح الاسانید قرار دیا، اور کسی ایک سنی محدث نے بھی ان پر تشیع کا الزام نہیں لگایا، لہذا یہ الزام مردود ہے۔ دوسرے یہ کہ روافض کا کسی شخص کو اپنے نمبر بڑھانے کے لئے اپنی کتابوں میں ذکر کرنا اس کی ہرگز دلیل نہیں کہ وہ شخص فی الحقیقت رافضی یا شیعہ تھا۔

و کل يدعي وصلا ليلى	وليلى لا تقرلهم بذاكا
ہر شخص لیلی کے وصل کا دعویدار ہے	اور لیلی کسی ایک کے ساتھ بھی اس وصل کا اقرار نہیں کرتی۔

درج ذیل اشخاص کو روافضی اپنی اسماء الرجال کی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں، کیا یہ بھی شیعہ یا رافضی تھے؟

۱: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (الاصول من الکافی: ۴۵۲/۱)

۲: الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (رجال الطّوسی ص ۱۵، الاصول من الکافی: ۴۶۳/۱)

۳: الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (رجال الطّوسی ص ۱۵، الاصول من الکافی: ۴۶۳/۱)

۴: جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ (تنقیح المقال للمامقانی: ۱۹۹/۱ ، رجال الطّوسی: ص ۱۲)

۵: سعید بن جبیر رحمہ اللہ (تنقیح المقال: ۲۵/۲، رجال الحلی ص ۲۹)

۶: ابوحنیفہ النعمان بن ثابت رحمہ اللہ (تنقیح المقال: ۲۷/۳، رجال الطّوسی: ص ۳۲۵)

۷: یعقوب بن ابراھیم ابو یوسف القاضی (تنقیح المقال: ۳۲۹/۳)

۸: محمد بن ادریس الشافعی (تنقیح المقال: ۶۷/۲ رقم: ۱۰۳۶۰)

۹: مالک بن انس (تنقیح المقال: ۴۸/۲ رقم: ۱۰۰۲۲)

۱۰: ابراہیم بن یزید النخعی وغیرہم (تنقیح المقال: ۴۳/۱ رجال الطّوسی: ص ۳۵)

میں پوچھتا ہوں کہ کسی مسلمان میں یہ ہمت ہے کہ ان صحابہ، تابعین و من بعدھم کو شیعہ یا رافضی قرار دے کر ان کی مرویات کو مردود کہہ دے؟ لہذا ثابت ہوا کہ رافضیوں کا کسی سُنی کو اپنے رجال میں شمار کرنا اسے رافضی نہیں بنا دیتا۔ یہ بات یاد رہے کہ موجودہ دور میں متعدد ناصبی مثلاً فیض عالم صدیقی وغیرہ جب کسی ثقہ راوی کی صحیح حدیث اپنی خواہشات نفسانیہ کے خلاف پاتے ہیں تو جھٹ اسے شیعہ کہہ کر اس کی حدیث سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں لہذا ایسے لوگوں سے اہل سنت والجماعت کو ہوشیار رہنا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ محدثین کی اکثریت کا یہ مسلک ہے کہ اگر بدعتی راوی ثقہ یا صدوق ہے تو اس کی روایت قابل حجت ہوتی ہے۔

مشہور غیر اہل الحدیث جناب سرفراز صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''اور اصول حدیث کے رو سے ثقہ راوی کا خارجی یا جہمی معتزلی یا مرجئ وغیرہ ہونا اس کی ثقاہت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا اور صحیحین میں ایسے راوی بکثرت موجود ہیں......'' (احسن الکلام: ۳۰/۱)

لہذا منکرینِ حدیث کے ثقہ راویوں پر اندھا دھند حملے خالی کارتوسوں کی طرح رائیگاں جائیں گے۔ ان شاء اللہ

تنبیہ: مامقانی نے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ سے نقل کیا ہے کہ :

'' كان الزهري من المنحرفين عنه يعني علياً ''

یعنی: زہری امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھے۔ (تنقیح المقال: ۱۸۷/۳)

(معاذ اللہ) اور اسی طرح مامقانی رافضی نے اپنے بعض اکابر سے نقل کیا ہے کہ زہری (اہل بیت کے) دشمن تھے (ایضاً)

ابوجعفر الطّوسی الرافضی نے کہا:

'' **محمد بن شهاب الزهري عدو** ......'' (رجال طوسی: ص۱۰۱)

'' **من لا يحضره الفقيه** '' کے محشی نے شرح **مشيخه الفقيه** کے حاشیہ میں امام زہری کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کا منحرف لکھا ہے۔ (۸۲/۴)

اب آپ فیصلہ کریں کہ رافضیوں کے کہنے پر امام زہری کو ناصبی قرار دیا جا سکتا ہے، مشہور زاہد شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے سچ کہا ہے کہ:

"**وعلامة الرافضية تسميتهم أهل الأثر ناصبية وكل ذلك عصبية وغياظ لأهل السنة ولااسم لهم إلا اسم واحد وهو أصحاب الحديث** "

اور رافضیوں کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل اثر کو ناصبی کہتے ہیں، یہ سب تعصب ہے اور ان کا اہل سنت کے ساتھ غصہ ہے اور ان کا صرف ایک ہی نام ہے اور وہ ہے اصحاب الحدیث (الغنیۃ للطالبی طریق الحق: ۸۰/۱)

اور میں کہتا ہوں کہ اسی طرح فرقہ ناصبیہ کی یہ علامت ہے کہ وہ اہل سنت کو رافضی یا شیعہ کہتے ہیں۔

تدلیس کی بحث: متعدد علماء نے امام زہری کو مدلس قرار دیا ہے، حافظ ذہبی نے کہا:

'' **الحافظ الحجة ، كان يدلس في النادر** '' (میزان الاعتدال: ۴۰/۴)

آپ حافظ حجت تھے، کبھی کبھار تدلیس کرتے تھے، مشہور محدث امام صلاح الدین العلائی (متوفی ۷۶۱ھ) فرماتے ہیں:

"**والصحيح الذى عليه جمهور أئمة الحديث والفقه والأصول الإحتجاج بما رواه المدلس الثقة مما صرح فيه بالسماع دون ما رواه بلفظ محتمل لأن جماعة من الأئمة الكبار دلسوا وقد اتفق الناس على الإحتجاج بهم ولم يقدح التدليس فيهم كقتادة والأعمش والسفيانين الثوري وابن عيينة وهشيم بن بشير وخلق كثير وأيضاً فان التدليس ليس كذباً صريحاً بل هو ضرب من الإيهام بلفظ محتمل** ...... "

اور صحیح وہ ہے جس پر محدثین، فقہاء اور اصولیین ہیں، کہ ثقہ مدلس جو روایت سماع کی تصریح کے ساتھ بیان کرے اس سے حجت پکڑی جائے اور جو لفظ محتمل (عن وغیرہ) کے ساتھ بیان کرے، اس سے حجت نہیں پکڑی جائے، کیونکہ ائمہ کبار کی ایک جماعت نے تدلیس کی ہے اور لوگ ان کے ساتھ حجت پکڑنے پر متفق ہیں، اور تدلیس نے انہیں نقصان نہیں پہنچایا مثلاً قتادہ، اعمش، سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ، ھشیم بن بشیر اور بے شمار لوگ، اور یہ بات بھی ہے کہ تدلیس صریح جھوٹ نہیں ہے، بلکہ وہ لفظ محتمل (عن وغیرہ) کے ساتھ ایہام کی ایک قسم ہے۔

(جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص ۹۸، ۹۹)

امام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی فرماتے ہیں:

''ومن عرفناه دلس مرة فقد أبان لنا عورته في روايته وليست تلك العورة بكذب فنرد بها حديثه ولا النصيحة في الصدق فنقبل منه ما قبلنا من أهل النصيحة في الصدق فقلنا لا نقبل من مدلس حديثاً حتى يقول فيه حدثني أو سمعت ......''

اور جسے ہم جان گئے کہ اس نے ایک مرتبہ ہی تدلیس کی ہے تو ہم پر اس کا نقص اس کی روایت میں ظاہر ہو گیا، اور یہ نقص جھوٹ نہیں ہے، کہ ہم اس کی وجہ سے اس کی حدیث کو (مطلقاً) رد کر دیں اور (یہ نقص) نہ سچائی میں خیر خواہی ہے، تا کہ ہم اس کی روایت بھی (مطلقاً) قبول کر لیں، جس طرح ہم سچائی میں خیر خواہوں (غیر مدلسین) کی روایات قبول کرتے ہیں، پس ہم کہتے ہیں کہ ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ حدثنی یا میں نے سنا ہے (یعنی سماع کی تصریح کرے)

(الرسالۃ: ص ۳۷۹)

لہذا امام زہری نے جن روایات میں سماع کی تصریح کی ہے، ان کے صحیح ہونے میں کیا شبہ ہے؟ بعض لوگ امام شعبہ اور چند علماء سے تدلیس کی سخت مذمت اور تکذیب نقل کرتے ہیں، حالانکہ یہ اقوال مرجوحہ ہیں، امام ابوعمرو بن الصلاح فرماتے ہیں: ''وهذا من شعبة إفراط محمول على المبالغة في الزجر عنه والتنفير''

اور یہ قول امام شعبہ سے افراط پر مبنی ہے اور یہ تدلیس سے دھمکانے اور نفرت دلانے کے مبالغہ پر محمول ہے۔

(علوم الحدیث المعروف بمقدمہ ابن الصلاح ص ۹۸)

امام ابن الصلاح کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے، کہ امام شعبہ نے خود کئی مدلسین مثلاً قتادہ، ابواسحاق السبیعی اور اعمش سے روایت بیان کی ہے، بلکہ امام شعبہ سے مروی ہے کہ :

'' كفيتكم تدليس ثلاثة الأعمش وأبي إسحاق وقتادة ......''

یعنی میں آپ کے لئے تین اشخاص، اعمش، ابواسحاق اور قتادہ کی تدلیس سے بچنے کے لئے کافی ہوں۔

(آخر طبقات المدلسین بتحقیقی: ص ۷۷)

لہذا علماء کے نزدیک ان راویوں سے شعبہ کی روایت اگر معنعن بھی ہو تو سماع پر محمول ہوتی ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ج ۴ ص ۳۸، ۱۹۴، ج ۱۰ ص ۱۶۶، ج ۱۱ ص ۱۴۶، ۱۹۷، ۲۱۱، ۲۴۱، ۲۶۲، ۵۴۶، ج ۱۲ ص ۲۱۷ بحوالہ توجیہ القاری ص ۲۶۲)

لہذا زہری کی تصریح بالسماع سے روایت صحیح ہوتی ہے۔

ارسال کی بحث: بعض مبتدعین، امام یحیی بن سعید القطان کا قول کہ: زہری کی مرسل روایتیں ''بمنزلة ريح'' ہیں نقل کر کے امام زہری کو مطعون کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی راوی کا مرسل احادیث بیان کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ اور نہ یہ اس کی عدالت پر جرح ہے، متعدد ائمہ نے مرسل روایات بیان کی ہیں، مثلاً ابراہیم نخعی

ایوب السختیانی، ثابت البنانی، جعفر الصادق، حسن بصری، ربیعہ الرائے، رجاء بن حیوۃ، سالم بن عبداللہ بن عمر، سعید بن جبیر سعید بن المسیب، سفیان ثوری، اعمش، قاضی شریح، شعبہ، طاووس، الشعبی، عروہ، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ اور قتادہ وغیرہم، دیکھئے (کتاب المراسیل لابی داود وغیرہ)

کیا یہ ائمہ مرسل روایت بیان کرنے کی وجہ سے ضعیف و مجروح بن گئے ہیں؟ یہ بات حق ہے کہ مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے، لیکن یہ بات باطل ہے کہ ہر مرسِل (ارسال کرنے والا) ضعیف ہوتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ امام زہری کا ارسال سخت خطرناک ارسال تھا تو عرض ہے کہ اس کی وجہ بھی محدثین نے بتا دی ہے، امام یحیی بن سعید القطان نے کہا: " هولاءِ قومٌ حفّاظٌ كانوا إذا سَمِعُوا الشيء علّقوه "

یہ لوگ (قتادہ و زہری) حفاظ حدیث میں سے تھے، یہ جب کوئی چیز سنتے تو اسے یاد کر لیتے تھے (المراسیل لابن ابی حاتم: ص۳)

مزید فرمایا:

'' مرسل الزهرى شر من مرسل غيره لأنه حافظ ، و كل ما قدر أن يسمى سمى ، و إنما يترك من لا يحب أن يسميه ''

زہری کی مرسل دوسروں کی مرسل سے زیادہ بری ہوتی ہے، کیونکہ وہ حافظ ہیں، اور وہ (زہری) جس کا وہ نام لینا چاہتے ہیں لے لیتے ہیں اور صرف اسی شخص کا نام ترک کرتے ہیں جس کا نام لینا پسند نہیں کرتے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳۳۸/۵)

معلوم ہوا کہ زہری کی مراسیل غیر ثقات سے ہونے کی وجہ سے زیادہ ضعیف ہیں، امام یحیی بن سعید القطان نے قتادۃ کی مراسیل کو بھی " بمنزلة الريح " قرار دیا۔ (المراسیل لابن ابی حاتم: ص۳) اور سعید بن المسیب کی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منقطع روایت کو " ذاك شبه الريح " کہا یعنی: وہ ہوا کی طرح کمزور ہے۔ (ایضاً ص۴)

اور کہا: " مرسلات ابن أبي خالد – يعني إسماعيل – ليس بشيء "

یعنی اسماعیل بن ابی خالد کی مرسل روایات کچھ بھی نہیں ہیں۔ (جامع التحصیل: ص۳۸)

امام محمد بن سیرین سے بھی ابوالعالیہ اور حسن البصری کی مراسیل پر سخت تنقید مروی ہے، اور کہا: چار اشخاص (الحسن، ابو العالیہ، حمید بن ہلال اور داود بن ابی ھند) ہر ایک کو سچا سمجھتے تھے اور اس بات کی پرواہ نہیں رکھتے تھے، کہ کس سے سن رہے ہیں۔ (سنن دارقطنی: ۱۷۱/۱، ۱۷۲) کیا ان علماء کو بھی ضعیف و غیر ثقہ قرار دیا جائے گا، بلکہ حق یہ ہے کہ جو شخص ثقہ ہے، اس کی متصل روایات کو قبول اور مرسل روایات کو مردود سمجھنا چاہئے۔ (جاری ہے)

حافظ شیر محمد

تابعین عظام رحمہم اللہ اجمعین سے محبت

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

اور مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین اور وہ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی اتباع کی، ان سب سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان (جنتوں) میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ (سورہ التوبہ:۱۰۰)

یہاں اتباع کرنے والوں سے مراد صحابہ کے تابعین ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین عظام سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان عظیم لوگوں کو (جنت کی صورت میں) عظیم کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔

رحمت للعالمین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام کی عظمت، تابعین عظام کی رفعت اور تبع تابعین کی شان وشوکت کو اپنی زبانِ مبارک سے اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''خير الناس قرني ، ثم الذين يلونهم ، ثم الذين يلونهم ''

لوگوں میں سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ جو ان (صحابہ) کے نزدیک ہیں۔ (یعنی تابعین) پھر وہ جو ان (تابعین) کے نزدیک ہیں (یعنی تبع تابعین) (صحیح البخاری: ح ۲۶۵۲، وصحیح مسلم: ح ۲۵۳۳)

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''يأتي على الناس زمان ، يغزو فئام من الناس ، فيقال لهم ، فيكم من رأى رسول الله ﷺ ؟ فيقولون :نعم ، فيفتح لهم ،

ثم يغزو فئام من الناس ، فيقال لهم :فيكم من رأى من صحب النبي ﷺ ؟ فيقولون : نعم ، فيفتح لهم ،

ثم يغزو فئام من الناس ،فيقال لهم :هل فيكم من رأى من صحب من صحب رسول الله ﷺ ؟ فيقولون :نعم ، فيفتح لهم ''

ایک زمانہ آئے گا جس میں لوگ فوجیں بنا کر جہاد کریں گے، تو انہیں پوچھا جائے گا: کیا تم میں کوئی ایسا آدمی (یعنی صحابی) موجود ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے؟

تو وہ کہیں گے: جی ہاں، تو انہیں (اللہ کی طرف سے) فتح حاصل ہوگی۔ پھر کچھ لوگ فوجیں بنا کر جہاد کریں گے تو انہیں پوچھا جائے گا: کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص (یعنی تابعی موجود) ہے جس نے صحابہ کو دیکھا ہے؟ تو وہ کہیں گے: جی ہاں، تو انہیں فتح نصیب ہوگی۔

پھر کچھ لوگ فوجیں ترتیب دے کر جہاد کریں گے تو انہیں کہا جائے گا: کیا تم میں کوئی ایسا شخص (تبع تابعی) موجود ہے جس نے تابعین کو دیکھا ہے؟ تو وہ کہیں گے: جی ہاں، تو انہیں فتح حاصل ہوگی۔

(صحیح البخاری: ح ۲۸۹۷، وصحیح مسلم: ح ۲۵۳۲)

اس حدیث پاک سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱: صحابہ کے بعد تابعین کی جماعت، انتہائی مقدس جماعت ہے۔

۲: نبی ﷺ کی یہ پیشین گوئی من وعن پوری ہوئی اور صحابہ، تابعین وتبع تابعین کے دور میں اسلام غالب رہا، والحمد للہ لہذا ہم پر واجب ہے کہ ہم تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین، ائمہ دین اور تمام صحیح العقیدہ مسلمانوں سے محبت کریں، اللہ تعالیٰ اس محبت کی وجہ سے سارے گناہ معاف کر کے ان مقدس جماعتوں کے ساتھ شامل کر دے گا، ان شاء اللہ

واضح رہے محبت کا تقاضا ہے: فَإِنْ اٰمَنُوا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُم بِهِ ے

عنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنے کی حتی الوسع کوشش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ میں صحابہ کرام کے بعد، تابعین عظام جیسے عظیم لوگ پیدا فرمائے جو اسلام کے آسمان پر اپنی بیان کردہ احادیث کی وجہ سے، سورج، چانداور ستاروں کی صورت میں مسلسل جگمگا رہے ہیں۔ کہیں سعید بن المسیب، حسن بصری، عروہ بن زبیر اور سعید بن جبیر ہیں تو کہیں زین العابدین، محمد بن سیرین، شعبی سالم بن عبداللہ، مجاہد اور عطاء بن ابی رباح کتاب وسنت کی روشنیاں پھیلا رہے ہیں۔

ان کے تفصیلی حالات کے لئے حافظ ذہبی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ، سیر اعلام النبلاء اور حافظ مزی کی تہذیب الکمال کا مطالعہ کریں، اس عظیم الشان جماعت کے فضائل پڑھنے اور سننے کے بعد دل ودماغ دنگ رہ جاتے ہیں۔

اے اللہ، ہمارے دلوں کو اپنی اور اپنے پیارے نبی کریم ﷺ، نبی ﷺ کے پیارے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام اور تمام محدثین کی محبت سے بھر دے، اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ''المرء مع من أحب''

آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ (بخاری: ۶۱۷۰)

کا مصداق بنا دے۔ آمین ثم آمین